ہفت روزہ

ذوالفقار

۱۶ فروری ۱۹۷۹ء

زیر اہتمام

الفتح

مطبوعات

قیمت /۵ روپے

قارئین سمجھتے ہیں

دفاعی نوعیت کا منصوبہ مارشل لا کی زد میں آگیا

حال ہی میں ایک خبر آئی تھی کہ ملک کے سنگین مالی حالات کے سبب اہم قومی منصوبے نیشنل ہائی وے کو ترک کر دینے کا فیصلہ کیا گیا ہے اور ہائی وے بورڈ کو ختم کر دینے اس کے عملے اور مشینری کو ٹھکانے لگانے کی غرض سے سرکاری کمیٹی قائم کر دی گئی ہے پاکستان کی دفاعی اور اقتصادی نوعیت کے اس اہم اور عظیم منصوبے کے لیے جس سے کراچی اور پشاور کے درمیان تین سو میل کا فاصلہ کم ہونا تھا اور جس کی تعمیر سے ملک کے چاروں صوبوں کے نہایت پسماندہ علاقوں کی اقتصادی ترقی میں مدد ملنا تھی اس قومی شاہراہ کی تعمیر کے لئے نقشوں کی تکمیل حال ہی میں ہوئی تھی اور اب تک سروے چند ابتدائی تعمیرات اور مشینری کی درآمد پر اٹھارہ کروڑ روپے خرچ ہو چکے ہیں اس میں بارہ کروڑ روپے کی لاگت سے درآمد ہونے والی مشینری شامل ہے اس شاہراہ کی تعمیر کے لیے بارہ کروڑ ستر لاکھ ڈالر کی رقم سعودی عرب کی حکومت نے مہیا کرنی تھی مالی امداد کے علاوہ سعودی عرب کے انجینئروں کو پاکستان نے اس شاہراہ کی تعمیر کے دوران تربیتی سہولتیں بھی فراہم کرنا تھیں جس کے لیے ڈیرہ غازیخان میں کالج کی عمارت زیر تعمیر ہے سروے کا کام پہلے ہی مکمل ہو چکا ہے اور شاہراہ کی تعمیر کے لیے جو رقبہ حاصل کیا گیا ہے اس کے مالکان کو معاوضہ بھی دیا جا چکا ہے۔

کراچی سے شائع ہونے والے ایک انگریزی زبان کے جریدے "انجینئرنگ ریویو" کے مطابق نیشنل ہائی وے جس کا نام ابتداء میں "انڈس ہائی وے" رکھا گیا تھا کا منصوبہ ترک کرنے پر امریکہ کی حکومت نے زور دیا تھا یہ بات بھی کسی حد تک درست ہو سکتی ہے لیکن میں چونکہ اس عملے میں ملازم ہوں اور اصل وجہ اس کے ختم ہونے کی یہ ہے کہ یہ ادارہ بھی مارشل لا کی لاٹھی کی زد میں آیا ہے۔ ورکروں کو کہا گیا ہے کہ آپ کو کسی اور محکمہ میں ایڈجسٹ کریں گے لیکن فی الحال ابھی تک کوئی فیصلہ نہیں ہوا ہم لوگ غیر یقینی صورتحال سے دوچار ہیں جنرل صاحب سے گذارش ہے کہ براہ کرم اپنے فیصلہ پر نظر ثانی کریں اور اس اہم منصوبہ کو ترک نہ کیا جائے اور ہم غریبوں کی روزی نہ چھین جائے۔

ایم۔ ٹی بھٹی۔

جابہ جیل

ہم آپ کی وساطت سے صدر پاکستان گورنر پاکستان کی توجہ اس طرف دلانا چاہتے ہیں کہ کالاباغ ضلع میانوالی ایک ایسی غیر قانونی ریاست ہے جو اسلامی جمہوریہ پاکستان کے تمام دستوری اور عدالتی طریقوں کا سراہ مذاق اڑا رہی ہے ۲ مارچ ۷۷ ۱۹ء سابقہ الیکشن کے دوران سابقہ امیدوار قومی اسمبلی ملک مظفر خان نے ہمارے دو دوستوں احافظ عبدالرحیم اور قاضی غلام مرتضیٰ کو اپنی نجی جیل "جابہ جیل" میں بند کر رکھا ہے آج تک ان کے زندہ یا مردہ ہونے کا کوئی پتہ نہیں چلا۔

"جابہ جیل" ایک ایسے قسم کا اذیتی کیمپ ہے کہ جس سے حالیہ مارشل لا گورنمنٹ بھی چھاپے مارنے کے باوجود اغوا شدگان کو رہا نہیں کرا سکی۔ ہم حکومت پاکستان سے اپیل کرتے ہیں کہ خدارا ہمارے ساتھیوں کو برآمد کرنے کے لیے اقدامات کرائیں تاکہ وہ بھی ریڈیو پاکستان پر اپنی طویل نظر بندی کی داستان سنا سکیں۔

سید امیر اعظم صدر کالا باغ فرنٹ
جابہ برانچ

عوامی تحریک

گذشتہ دنوں "بائیں بازو" کے اتحاد سے عمل میں آنے والی پاکستان عوامی تحریک کے اجلاس کے فیصلے نظروں سے گزرے اور پریشان کر گئے یقین نہیں آتا کہ رسول بخش پلیجو صاحب جو کہ سندھ کے حقوق کے علمبردار اور قومیتوں کے حقوق کے پاسبان ہیں انہوں نے کس طرح غلط سلط فیصلے کر لیے

ایک جانب شیر علی باچہ کو سرحد کا آرگنائزر مقرر فرمایا ہے تو دوسری جانب سندھ کا سیکریٹری کسی علی یاور نامی صاحب کو مقرر کیا گیا ہے جن کے بیان عموماً کراچی ہی سے جاری ہوتے رہتے ہیں اور غالباً کراچی میں ہی رہائش بھی رکھتے ہیں۔ میری یہ گذارش ہے کہ اگر پاکستان عوامی تحریک کو فعال بنانا ہے تو سندھ کا سیکرٹری یا آرگنائزر جو کچھ بھی ہو اندرون سندھ سے مقرر فرمائیں یہ میری ہی نہیں میری طرح کئی ترقی پسند دوستوں اور ساتھیوں کی رائے ہے۔

(نبی بخش ابڑو میر لیہ خاص)

سرخیاں

ایک ہی دن کے اخبار سے لی گئی یہ سُرخیاں، نہ صرف ایک وائٹ پیپر کا اچھا مواد بن سکتی ہیں بلکہ بلا تبصرہ ان کے اوپر مختلف عنوانات بھی لگائے جا سکتے ہیں۔

جام ساقی کی اہلیہ کا انتقال۔ ان کے پر اس لیئے دل کا دورہ پڑا کہ ان کے شوہر کے بارے میں پولیس کچھ نہیں بتا رہی تھی اور ان پر تشدد کی افواہیں عام تھیں (اس خاتون کا خون کس کی گردن پر اور اس کے چھوٹے بال بچوں کو بے آسرا کرنے کا حقیقی ذمہ دار کون۔؟)

مخدوم خلیق الزمان ہائیکورٹ سے آزاد ہونے کے بعد پھر اسی مارشل لاء ضابطہ کے تحت گرفتار۔ (بلا تبصرہ)

ہفت روزہ سچائی کا ڈیکلریشن منسوخ (الفتح معیار ملت وغیرہ کا نام بھی مت لیجئے)

بیگم نصرت بھٹو بیمار ہو گئیں ان کا بلڈ پریشر ہائی ہو گیا۔ (بے نظیر؟ کیا کسی شخصیت کے اعزا ہونے کی یہی سزا ہے!)

ایم شمس (شہر نامعلوم)

جھوٹا پروپیگنڈہ

سید اعجاز علی شاہ پر قاتلانہ حملے کے عنوان سے روزنامہ مہران (سندھی) میں جنرل مراسلات اور ایڈیٹوریل نوٹ کا جو لمبا سلسلہ شروع کیا گیا ہے وہ سراسر جھوٹ من گھڑت اور ذاتیات پر مبنی ہے۔ حقیقت دراصل یوں ہے کہ ہم شریف طالب علم ہیں ہم سے محلے کے کسی شخص کو یا کالج میں کسی کو شکایت نہیں ہم گورنمنٹ کالج حیدرآباد میں پڑھتے ہیں مورخہ ۱۱ جنوری ۱۹۷۹ء کو ۱۱ دیں جماعت کا نتیجہ سیکنڈری بورڈ کی طرف سے شائع ہوا۔ ہم دستور کے مطابق اس سال بھی اپنے محلے کی پریس مہران میں اپنے مطلوبہ نمبر کا نتیجہ حاصل کرنے کے لئے گئے جہاں پر پہلے سے کچھ طالب علم موجود تھے سید اعجاز علی شاہ جو منیجر کے دفتر میں بیٹھے تھے جن کے پاس نتیجہ کی ایک فہرست موجود تھی اور یہی ایک فہرست ان کے پاس بھی تھی ہم لوگوں نے اعجاز علی شاہ سے نمبر بتانے کے لیئے کہا۔ انہوں نے کہا کہ فی نمبر ایک روپیہ دیں تو میں بتانے کو تیار ہوں ہم نے جواب میں کہا کہ پہلے تو کبھی ایسا نہیں ہوا۔ اور نہ ہی پریس والے ایسا کرتے ہیں شاہ صاحب نے کہا کہ پہلے تو کبھی ایسا نہیں ہوا۔ اب ایسے ہی ہوگا۔ اس پر ہمارے اور موصوف کے درمیان تو تکار ہوئی اور پھر ہمیں زبردستی دفتر سے نکال دیا گیا۔ اس واقعے کے بعد سے اب تک جناب ایڈیٹر مہران اخبار مسلسل ہمارے خلاف تحریری اور زبانی کارروائی میں مصروف ہیں۔

نثار احمد بلوچ طالب علم انٹر سائنس
گورنمنٹ کالج حیدرآباد

شیر پاؤ شہید

آج حیات محمد خان شیر پاؤ شہید ہم میں موجود نہیں لیکن ان کی یاد اور ان کے کارنامے ہمارے درمیان موجود ہیں اور ہم ان سے اسی طرح رہنمائی حاصل کر رہے ہیں جیسے ہم شیر پاؤ سے ان کی زندگی میں حاصل کرتے تھے۔

ہمارے ملک میں جمہوریت کا پودا صرف پی پی پی ہی کے دور میں سر ابھار سکا تھا لیکن وطن دشمنوں کو یہ بھی گوارا نہیں ہوا اور انہوں نے جمہوریت کی بیخ کنی کر دی اور اب مارشل لا کے زیر سایہ اپنی زندگیوں میں اضافہ کرنے کی ناکام کوشش کر رہے ہیں ظاہر ہے جمہوریت دشمن افراد ملک اور قوم کے بھی دشمن ہی ہوتے ہیں اور ایسے افراد سے نفرت کرنا عوام کا بنیادی حق ہے اسی حق کے لیئے شیر پاؤ جب تک زندہ رہے برسر پیکار رہے اور آج ہم ان کے مشن کی تکمیل کا عزم کیئے جانب منزل رواں دواں ہیں۔

رشیدہ ابراہیم گھانچی۔ کراچی

جماعت اسلامی کی بربریت اور امن پسند عوام!

اخبارات میں یہ خبر پڑھ کر حیرت اور افسوس ہوا کہ پاکستان اسٹوڈنٹس کونسل کا اجلاس جو پنجاب یونیورسٹی لاہور میں ہو رہا تھا جماعتی غنڈوں کے حملے، فائرنگ اور تشدد کی وجہ سے ملتوی کر دیا گیا انتہا یہ ہے کہ طالبات کو بھی زدوکوب کیا گیا حکومت میں جب سے جماعت اسلامی شامل ہوئی ہے اس کی ذیلی تنظیموں کی جانب سے تشدد کی کارروائیاں بڑھ گئی ہیں یہ سب کچھ ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت کیا جا رہا ہے اور یہ امن پسند عوام کے خلاف ایک سازش ہے

(فیروز احمد لاہور)

دفترِ رابطہ

الفتح

مطبوعات

ہفت روزہ

ذوالفقار

گھوٹکی

چیف ایڈیٹر: سید اظہر گیلانی

٦٩- ڈی ۵، ۵- زرسری کمرشل ایریا، پی-ای-سی-ایچ-ایس کراچی ۲۹ —— ٹیلیفون نمبر: ۴۳۲۲۷۴

مُدیرِ اعلیٰ (اعزازی)
ارشاد راؤ

مُدیر
واحد بشیر

وقائع نویس
منہاج برنا شبیہہ الحسن

کالم نگار
حسین نقی

انتظامی امور
حاجی عدیل

ترسیل
عبدالرحمٰن

۱۶ فروری ۷۹ء

شمارہ
٦٨٧

قیمت
۵ روپے

خاص مضامین

حکومت کے "اسلامی نظام" میں سرمایہ داروں کو کھلی چھوٹ —— منہاج برنا —— ۵

ایران میں عوامی جدوجہد کا دوسرا دور ختم، بختیار کی چھٹی —— شبیہہ الحسن —— ٦

سپریم کورٹ کے فیصلے پر پی پی پی کی قرارداد کا مکمل متن —— —— ۷

تمہیں فرصت نہیں تو چھوڑو ہمیں دیدو، یاسر عرفات —— ذوالفقار حیدری —— ۹

کورم پورا نہیں تھا، فیصلہ غیر آئینی ہے —— نتیجہ یاب علی خان —— ۱۱

کیا سزائے قتل کے قانون پر نکتہ چینی قانون کی توہین ہے —— ڈاکٹر ہیوگو —— ۲٦

نمائندے

اسلام آباد ○ ذوالفقار حیدری

آزاد کشمیر ○ سید نذیر گیلانی

صوبائی نمائندے

سندھ ○ مقیم نواب شاہ ○ محمد نواز خلجی

پنجاب ○ مقیم: لاہور ○ کاشف

سرحد ○ مقیم: پشاور ○ خلیل خان خٹک

بلوچستان ○ مقیم: کوئٹہ ○ ناصر عرفات

ضلعی نمائندے

حیدرآباد ○ مدد علی بُرج

تھرپارکر ○ محبوب احمد

سانگھڑ ○ ایاز سندھی

سکھر ○ ارشد حسین

ٹنڈوالہیار ○ کامل سمّوں

مُلتان ○ ناصر زیدی

گوجرانوالہ ○ محمد افضل جنجوعہ

ٹوبہ ٹیک سنگھ ○ غیاث الدین جانباز

فیصل آباد ○ طارق سعید

گجرات ○ میاں محمد شریف زاہد

میانوالی ○ روشن ملک

سرگودھا ○ الطاف چغتائی

وہاڑی ○ احسان ملک

گوادر ○ سلیمان شیروف

بیرونِ ممالک

پیکنگ ○ رشید بٹ

ماسکو ○ محمد زاہد

کینیڈا ○ سعید بن سعود

لندن ○ عبدالحفیظ قریشی

یورپ ○ فاروق طارق

دوبئی ○ غلام جیلانی

کویت ○ ملک نذیر

پبلشر، پرنٹر ا ۔ اے گید نے سید پریس گھوٹکی سے چھپوا کر دفتر ہفت روزہ ذوالفقار گھوٹکی سے شائع کیا

ظلم اماں مانگ رہا ہے

آج کل جنوبی ایشیا کا یہ خطہ جس میں ہم بستے ہیں بیک وقت دو مختلف نوعیت کے تجربات اور تاریخی عمل سے گزر رہا ہے۔ ایک طرف ہمارا ملک اسلامی جمہوریۂ پاکستان ہے جو اپنی تقریباً ۳۲ سالہ زندگی میں زیادہ تر سرزمینِ بے آئین رہا ہے یعنی یا تو سرے سے آئین ہی نہ رہا یا پھر مارشل لاء کو آئین پر سبقت اور ترجیح حاصل رہی اور اب بیک وقت آئین اور مارشل لاء کی موجودگی میں ایسے قوانین سے روشناس ہو رہا ہے جو نافذ تو اسلام کے نام پر کئے جا رہے ہیں لیکن جنہیں ملوک و سلاطین کی نہ صرف زبانی تائید و حمایت بلکہ عملی سرپرستی اور اعانت (خاص طور پہ مالی اعانت) حاصل ہے۔ دوسری طرف ایران ہے جہاں دینی رہنما، قوم پرست اور سوشلسٹ نظریات کے حامی متحد ہوکر اپنے وطنِ عزیز کو ملوکیت کی لعنت سے پاک کرنے اور ایک اسلامی جمہوریہ کے قیام کے لئے جان و تن کی بازی لگائے ہوئے ہیں اور جس وقت یہ سطور تحریر کی جا رہی ہیں اس وقت سرزمینِ ایران پر حق و باطل کا معرکہ آخری مراحل میں ہے۔ ملوکیت کے خوشہ چیں اور سامراج کے کاسہ لیس راہ فرار اور جائے اماں کی تلاش میں ہیں اور عوام اور ان کے رہنما اپنی بے مثال جدوجہد کو فتحِ کامل کی منزل تک پہنچانے کی کوشش میں مصروف ہیں۔ بعض لوگ ان دونوں معاملات کو ایک ہی سلسلے کی کڑیاں ثابت کرنے کی تگ و دو میں مصروف ہیں وہ شاید ابھی تک اسی دقیانوسی فکر پر یقین رکھتے ہیں کہ عوام بے وقوفی کی حد تک سادہ لوح ہوتے ہیں اور انہیں آسانی سے واہموں میں مبتلا کیا جا سکتا ہے لیکن انہیں یہ پتہ لگنے میں دیر نہیں لگے گی کہ آج عوام چاہے وہ کسی ملک سے کیوں نہ تعلق رکھتے ہوں، اپنی آنکھوں سے دیکھتے، کانوں سے سنتے اور خود نتائج اخذ کرتے ہیں اور انہیں بیوقوف بنانے کی کوشش کرنے والوں کو بالآخر پچھتانا پڑتا ہے۔

ایرانی عوام کی جدوجہد انقلابات کی تاریخ میں ایک منفرد مقام کی حامل ہے۔ یہ وہ ملک تھا جس کے حکمراں کو شہنشاہیت کے تسلسل پر یقین اور فخر تھا۔ یہاں حکمراں نے اس خطے میں سب سے زیادہ اور جدید ترین اسلحہ کا ذخیرہ اکٹھا کر رکھا تھا جہاں سامراج اس طرح پنجے گاڑے ہوئے تھا کہ اسے اپنے مفادات کی جنگ کا پہلا اور مضبوط ترین مورچہ سمجھتا تھا جس کی فضا حسین فاطمی اور ان جیسے ہزاروں جاں نثارانِ وطن کے لہو سے شفق رنگ تھی اور ڈاکٹر مصدق اور ان جیسے ہزاروں فدائیانِ وطن کی آہوں اور سسکیوں سے گونج رہی تھی اور آج وہی سرزمینِ نیجِ انقلاب کے پُرخروش نعروں سے گونج رہی ہے۔ محبانِ وطن پر منشیات کی اسمگلنگ کا الزام لگا کر ان کے جسموں کو گولیوں سے چھلنی کرنے والے اپنے اسلحہ پر سفید جھنڈے لہرا کر جاں بخشی کی بھیک مانگ رہے ہیں اور ظلم و جبر کی علامت بن جانے والی وردیاں پھاڑ کر نہتے عوام کے موجیں مارتے سمندر میں گھل مل جانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ یہ زرینہ بلند ہمت سربازوں نے اپنے خون سے رقم کیا ہے۔

ہم سلام کرتے ہیں ان سربلندوں کو جو اس جدوجہد کی راہ میں کام آئے۔ ان جواں ہمت مردوں، عورتوں اور بچوں کو جن کے جسموں پر زخموں کی صورت تمغۂ شجاعت سجے۔ ان رہنماؤں کو جو قید و بند، جبر و تشدد، جلاوطنی اور بے دری میں ثابت قدم رہے جنہیں نہ تو اندیشۂ جاں اپنی راہ سے پیچھے ہٹا سکا اور نہ کوئی لالچ ان کے پاؤں کی زنجیر بن سکا۔

ہم اپنے تمام تفکرات کے باوجود اپنے ایرانی بھائیوں کی فتح کی مسرت میں برابر کے شریک ہیں اور مستقبل کی ہر آزمائش میں ان کے ساتھ ہوں گے۔

••

شہری اراضی، فیکٹریاں اور کرنٹ اکاؤنٹ زکوٰۃ سے مستثنیٰ قرار دیئے گئے

پُرانی سیاست گری خوار ہے

منہاج برنا

منافع خوری، چور بازاری ملاوٹ، اسمگلنگ کرنے والے قابلِ تعزیر نہیں؟

حکومت کے "اسلامی نظام" میں سرمایہ داروں کو کھلی چھوٹ

جہاں تک ملک میں نظام اسلام کو اس کی اصل روح کے ساتھ نافذ کرنے کی نیت کا تعلق ہے (اگر یہ نیت نیک ہے تو) اس ملک کا ہر مسلمان شہری اس کا خیر مقدم کرے گا، لیکن مسئلہ صرف نیت کا نہیں ہے بلکہ اسلام کی اصل روح کو جاری و ساری کرنے کا ہے جس نوعیت کا جزوی اور بعض صورتوں میں محلِ نظر اسلامی ارکان اور شرعی حدود نافذ کرنے کا اعلان جناب صدر جنرل ضیاء الحق صاحب نے ۱۲ ربیع الاوّل کو جاری فرمایا ہے اس پر یقیناً متعدد ثقہ علمائے کرام اور اہلِ علم جائز طور پر استفسار کریں گے۔ ویسے یہ بہتر ہوا کہ جناب صدر نے زکوٰۃ اور عشر کے سلسلے میں ۲۰ اپریل تک تجاویز طلب کی ہیں اور حکومت کی تجاویز کو ابھی تجاویز ہی رکھا ہے اور کُلی طور پر نافذ نہیں کیا ہے۔ اس سلسلے میں ہماری گزارشات مندرجہ ذیل ہیں۔

مجموعی طور پر زکوٰۃ اور عشر کی تجاویز کا اگر خلاصہ کیا جائے تو اس میں بڑے بڑے سرمایہ داروں کو کھلی چھوٹ دے دی گئی ہے عشر کے معاملہ میں تو چھوٹے اور غریب کسانوں کے اموالِ ظاہرہ VISIBLE ASSETS یعنی ان کی اراضی کو بھی مستثنیٰ نہیں کیا گیا ہے لیکن شہری اراضی کے ظاہرہ اثاثوں یعنی کارخانوں، فیکٹریوں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ کرنٹ اکاؤنٹ رکھنے والوں کو زکوٰۃ کی لازمی سرکاری وصولی سے مستثنیٰ کر دیا گیا ہے۔ زکوٰۃ دولت پر عائد ہوتی ہے گویا کہ ہماری حکومت نے مندرجہ بالا تمام اثاثوں کو دولت کی تعریف سے خارج کر دیا ہے اور یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ زکوٰۃ کے نفاذ کے بعد دولت ٹیکس ختم ہو جائے گا۔ کیا یہ صنعتی سرمایہ داروں اور بڑے بڑے دولت مندوں کو کھلی یکطرفہ رعایت نہیں ہے؟ کیا زکوٰۃ کے ضمن میں یہی اسلام کی روح ہے جسے موجودہ حکومت پیش کر رہی ہے؟

جہاں تک اس کا تعلق ہے کہ لوگ اپنی دولت اور آمدنی کا خود اندازہ کر کے رضاکارانہ طور پر زکوٰۃ ادا کریں تو یہ نیک کام تو ایماندار اور دیندار حضرات جناب صدر کے اعلان سے پہلے بھی انجام دیتے تھے اور آئندہ بھی دیتے رہیں گے۔ لیکن جہاں لازمی فرائض کا تعلق ہے جناب صدر کے پیش کردہ نظام کے تحت عام تنخواہ دار لوگوں کی آمدنی سے زکوٰۃ کاٹ لی جائے گی اور ان کے سیونگ اکاؤنٹوں سے بھی اسے وضع کیا جائے گا لیکن بڑے بڑے سرمایہ داروں کے کرنٹ اکاؤنٹوں اور ان کے ظاہری اثاثوں کو اس سے مستثنیٰ کر دیا گیا ہے۔ کیا زکوٰۃ کے معاملے میں سرمایہ داروں اور بڑے دولتمندوں کو قانونی تحفظ دینا یا انہیں اس سے مستثنیٰ قرار دینا اور عام لوگوں کی آمدنی پر لازمی قابلِ ادائیگی زکوٰۃ لگانا اسلامی شعائر اور قوانین اور ان کی اصل روح کے مطابق ہے؟

کہا گیا ہے کہ صرف سیونگ بنک کے ان اکاؤنٹس پر زکوٰۃ کی ادائیگی لازمی نہیں ہوگی جو ایک ہزار روپے یا اس سے کم ہوں۔ اس سے زیادہ پر لاگو ہوگی۔ آپ غور کیجیے کہ ہزاروں بلکہ لاکھوں متوسط طبقے کے افراد اور محنت پیشہ لوگ اپنا پیٹ کاٹ کر کچھ رقوم جمع کرتے ہیں تاکہ انہیں آڑے وقت میں استعمال کر سکیں لیکن ان رقوم پر بھی لازمی زکوٰۃ عائد کی گئی ہے جبکہ کرنٹ اکاؤنٹوں والے دولت مندوں اور ان کے ظاہری اثاثوں کو اس سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے کیا یہ انہیں کھلی چھوٹ دینے اور اسلام کے ایک اہم رکن کو مسخ کرنے کے مترادف نہیں ہے؟

اسلام کے اقتصادی نظام کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ دولت کے ارتکاز کو روکا جائے اور معاشرتی انصاف اور مساوات قائم کی جائے لیکن جناب صدر نے جس طرز کا نظام رائج کرنے کا اعلان فرمایا ہے اس سے ارتکازِ دولت میں اضافہ ہوگا۔ غریب غریب تر ہوگا اور امیر زیادہ امیر بن جائے گا۔ ایک فقرہ میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ موجودہ حکومت نظامِ اسلام کے نام پر سرمایہ دارانہ اور جاگیردارانہ استحصال کو نہ صرف جاری رکھنا چاہتی ہے بلکہ اسے قانونی تحفظ بھی عطا کرنے کی خواہشمند ہے۔ یہ حقیقت اس امر سے بھی ثابت ہوتی ہے کہ حکومت نے سرمایہ داروں کو یہ قانونی تحفظ دے دیا ہے کہ ان کے کارخانے اور فیکٹریاں مناسب معاوضے کے بغیر قومی ملکیت میں نہیں لی جائیں گی۔ ذرا غور فرمائیے کہ جس کارخانہ دار نے مزدوروں کا استحصال کر کے ایک فیکٹری سے دس فیکٹریاں کھڑی کر لی ہیں۔ اس کو بھی تو لینے کی صورت میں ہر فیکٹری کا معاوضہ ادا کیا جائے گا۔ غالباً یہ اقدام اسلام کے نام پر ملک میں نجی سرمایہ کاری کو فروغ دینے کے لئے کیا گیا ہے لیکن اس حکومت کی اطلاع کے لئے ہم یہ عرض کر دیں کہ یہ سرمایہ کاری اب بھی نہیں ہوگی کیونکہ ہمارے ملک کے سرمایہ داروں کو لوٹ کھسوٹ اور مفت خوری کا اتنا چسکا پڑ گیا ہے کہ وہ تو چاہتے ہیں کہ ان کے پلّے سے کچھ نہ جائے اور وہ بنکوں سے قرضے کر اور ٹیکس کی چھوٹ کے نظام کے تحت ایک کارخانے کے بعد دوسرے کارخانے کے مالک بنتے جائیں اور اپنا بیشتر روپیہ

باقی صہ ۵ پر

ایران میں عوامی جدوجہد کا دوسرا دور ختم

بختیار کی چھٹی، فوج غیر جانبدار

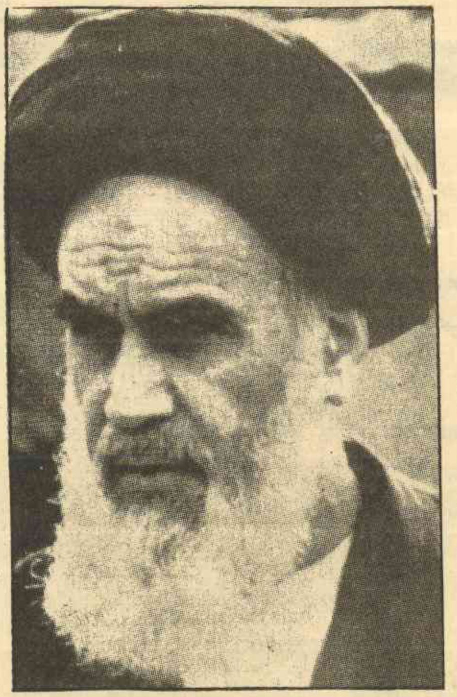

خمینی کی فتوحات میں اضافہ

عوامی جمہوریت قائم ہو کر رہے گی

شبیہ الحسن

آیت اللہ خمینی تہران کے مہر آباد ایئرپورٹ پر اترنے کے بعد ۳۰ منٹ کی جو تقریر کی تھی اس میں انہوں نے امریکی سامراج کو براہ راست لتھاڑتے ہوئے کہا تھا کہ "شاہ اور اس کے آقا نے ایران کی ثقافت کو تباہ کر کے نوآبادیاتی ثقافت کو جنم دیا۔ ہم اسی وقت فاتح کہلانے کے مستحق ہوں گے جب اپنی سرزمین پر پھیلے ہوئے غیر ملکی ہاتھ کاٹ دینگے۔ غیر ملکیوں کے ایجنٹوں کو جو ہمارے مفادات کو نقصان پہنچا رہے ہیں سمجھ لینا چاہیئے کہ تاریخ میں وہ غدار کے نام سے لکھے جائیں گے اور ان کی تمام سازشیں ناکام ہوں گی۔ میں خدا سے آپ کی صحت اور کامیابی کی دعا کرتا ہوں۔ میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں غیر ملکیوں کے ہاتھ اور ان کی سازشوں کے جال کاٹنے میں مدد دے"۔

ایران اور اس کے جیالے عوام کو آیت اللہ خمینی کی ضرورت تھی اور یہ ضرورت ایک طویل، صبر آزما جدوجہد اور قربانیوں کے نتیجے میں پوری ہو چکی ہے۔ آیت اللہ اپنے عوام کے درمیان موجود ہیں امریکہ کے دست راست اور جنوب مشرقی ایشیا میں سامراج کے مفادات کے چوکیدار محمد رضا شاہ مراکش میں چھٹیاں گزار رہے ہیں اور ان کی چھٹی شاید اب ہمیشہ کے لئے جلاوطنی میں تبدیل ہو جائے۔ تہران میں مقیم ایک اسلامی فلاسفر داراوش ساگان نے ٹائم کے نامہ نگار سے بات چیت کرتے ہوئے کہا کہ ایران میں آیت اللہ خمینی کی واپسی سے عوام کا ایک بڑا مطالبہ پورا ہو چکا ہے۔ اب اصل مسئلہ ایک ایسے ملک میں جمہوریت کی بحالی ہے جہاں اس کی روایت بالکل نہیں ہے۔ تاہم یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ ایران کے عوام نے جدوجہد کی مشعل کو جلائے رکھنے میں جو بیش بہا اور تاریخی قربانی دی ہے۔ وہ اس بات کی بھرپور کوشش کریں گے کہ ان کی یہ قربانی عوامی جمہوریت کی بحالی کی شکل میں زندہ رہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ ایرانی عوام نیا سبق سیکھنے پر تیار ہوں گے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ خمینی ساری جدوجہد کے مرکز رہے ہیں ان کی سب سے بڑی خدمت یا کارنامہ شاہ کی معزولی قرار دیا جا سکتا ہے جو ایران اور اس علاقے میں امریکہ اور اس کے حواریوں کے مفادات کی علامت بن چکے تھے لیکن اس سے زیادہ بڑا کارنامہ یہ ہوگا کہ ایران میں عوامی جمہوریت قائم ہو جائے۔ ایران میں شاہ ایران کے نامزد وزیر اعظم شاہ پور بختیار کے مستعفی ہونے اور ایران کے مختلف شہروں میں آیت اللہ خمینی کے آدمیوں کے کنٹرول حاصل کرنے کے بعد اب یہ سوال اہمیت اختیار کر گیا ہے کہ جمہوریت کی بحالی کے لئے کیا موثر اقدامات کئے جاتے ہیں۔

ٹائم نے اس موضوع پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ افواج کو اپنے ساتھ مکمل طور پر ملانے کی کامیابی کا انحصار اس بات پر ہوگا کہ خمینی شاہ کے آئین کو کس حد تک استعمال کرتے ہیں یا مسترد کرتے ہیں افواج اس آئین کے معاملہ میں خاصی حساس ہے۔ خمینی کے متعدد قریبی شریک کار اور نیشنل فرنٹ کے کریم سنجابی بھی چاہتے ہیں کہ آیت اللہ عبوری مدت کے لئے موجودہ آئین برقرار رکھنے پر رضامند ہو جائیں کریم سنجابی کا کہنا ہے کہ۔ افواج منتخب حکومت کا ساتھ دیں گی"۔ سیاسی مبصرین کا بھی یہی کہنا ہے کہ شاہ پور بختیار کے استعفے کے بعد آیت اللہ خمینی عبوری مدت کے لئے حکومت قائم کر دیں گے جس کے ذمہ یہ کام ہوگا کہ وہ جتنی جلدی ممکن ہو ایران میں جمہوری نظام کے قیام کے سلسلے میں انتظامات کرے۔ آیت اللہ خمینی جمہوریت کی بحالی کا وعدہ کر چکے ہیں البتہ جمہوری نظام کس قسم کا ہوگا۔ اس بارے میں انہوں نے متعدد موقعوں پر اعلان کیا تھا کہ اس کا فیصلہ ایران کے عوام کرینگے۔

گزشتہ ہفتہ ایران کے مضمون میں (دیکھیئے ہفت روزہ ذوالفقار مورخہ ۹ فروری ۱۹۷۹ء) واضح طور پر اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا تھا کہ شاہ پور بختیار کلی طور پر مسلح افواج کی طاقت پر بھروسہ کئے ہوئے ہیں۔ جس دن افواج کی طرف سے ہری جھنڈی دکھائی گئی وہ ان کی حکومت کا آخری دن ہوگا۔ یہ امر واقعہ ہے کہ گزشتہ دنوں جب عوام نے طاقت کا جواب طاقت اور گولی کا جواب گولی سے دینے کا فیصلہ کیا تو طویل خانہ جنگی اور کشت و خون کے خوف سے افواج کی ہائی کمان نے اعلان کیا کہ فوج غیر جانبدار رہے گی۔ فوجیوں کو بیرکوں میں جانے کا حکم دیا گیا۔ اس سے قبل مسلح مظاہرین اور فوجیوں میں جگہ جگہ خونریز تصادم ہوئے جن میں تقریباً تین سو افراد ہلاک اور سینکڑوں زخمی ہو گئے۔ خمینی کے حامیوں نے پارلیمنٹ کی عمارت، حکومت کے ہیڈکوارٹر، شاہ کے ایک محل، ریڈیو ٹی وی اسٹیشنوں اور سرکاری عمارتوں پر قبضہ کر لیا ہے۔ ہزاروں فوجیوں نے اپنے ہتھیار اور وردیاں عوام کے حوالہ کر دیں۔ تہران کے فوجی گورنر کو گرفتار کر لیا گیا۔ پارلیمنٹ کے تمام ممبر مستعفی ہو گئے۔ فوج کی ہائی کمان کے اعلان کے بعد وہ غیر جانبدار رہے گی۔ تہران میں لاکھوں افراد اپنی خوشی کا اظہار کرنے کے لئے سڑکوں پر نکل آئے۔

بیا ایران میں آمد کے بعد آیت اللہ خمینی کی فتوحات میں سب سے بڑی فتح اور شاہ پور بختیار کی بدترین اور آخری شکست تھی۔ شکستہ دل بختیار کے مستعفی ہونے کے بعد کوئی خبر نہیں ملی کہ وہ کہاں ہیں۔ ایک خبر یہ بھی ہے کہ انہوں نے خودکشی کر لی لیکن اس کی تاحال تصدیق یا تردید نہیں ہو سکی۔

شاہ پور بختیار کی شکست اس روز عیاں ہو گئی تھی جب انہوں نے یہ اعلان کیا کہ وہ خمینی سے ملاقات کر کے سمجھوتے کی کوئی راہ نکالنے کے خواہشمند ہیں۔ اس کے جواب میں آیت اللہ خمینی نے کہا کہ "وہ ایک غیر قانونی شخص سے ملاقات کرنے پر آمادہ نہیں ہیں"۔

ایران میں شاہ پور بختیار کے مستعفی ہونے کے بعد جدوجہد کا دوسرا دور ختم ہو گیا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ مسلح فوج کی ہائی کمان آئندہ رونما ہونے والے حالات میں اپنی غیر جانبداری کے وعدہ کو کہاں تک پورا کرتی ہے دوئم یہ کہ آیت اللہ خمینی ہنگامی صورتحال کو کنٹرول کرتے ہوئے ملک کو بادشاہت سے نکال کر جمہوریت کی راہ پر ڈالنے کے اقدامات میں کہاں تک کامیاب ہوتے ہیں۔ ■

انتقام اور کینہ پروری

کا یہ وقت نہیں ہے

پاکستان پیپلز پارٹی کی مرکزی مجلس عاملہ کا ایک ہنگامی اجلاس ۹ ر فروری ۹۷۹ اء کو اسلام آباد میں قائم مقام سیکریٹری جنرل میاں یٰسین وٹو کی زیر صدارت منعقد ہوا جس میں ان تمام اراکین اور بعد میں شامل کیے جانے والے اراکین نے شرکت کی جو ابھی تک آزاد شہری ہیں۔

بحث مباحثے کے بعد حسب ذیل قرارداد منظور کی گئی۔

سات ججوں پر مشتمل سپریم کورٹ آف پاکستان نے اکثریتی فیصلے کے ذریعے چیئرمین اور پاکستان کے سابق صدر و وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو کی اپیل مسترد کردی۔ اور گذشتہ سال مارچ میں لاہور ہائیکورٹ کی طرف سے انہیں دی جانے والی سزائے موت کی توثیق کردی۔

چیف جسٹس سمیت ۴ ججوں نے چیئرمین بھٹو کو مجرم پایا جبکہ دوسرے تین نے انہیں مکمل طور پر تمام الزامات سے بری کردیا اور ان کی برأت اور رہائی کا حکم دیا

جنوبی ایشیائی برصغیر کی عدلیہ کی تاریخ میں ایسے شدید اختلاف کی کوئی مثال نہیں ہے متصادم فیصلوں کے بارے میں یہ کہنا زیادہ موزوں ہوگا کہ یہ اختلاف رائے کی بہ نسبت صف بندی ہے۔

مقدمے اور فیصلے کا ایک گہرا تجزیہ حتمی طور پر یہ ثابت کردے گا کہ قانونی سطح پر اور اخلاقی بنیادوں دونوں پر چیئرمین بھٹو بری ہو چکے ہیں اور اس لئے انہیں پھانسی نہیں ہونی چاہیئے۔

انصاف کی صورت بگاڑنے کا انتہائی نمایاں پہلو یہ ہے کہ سابق وزیر اعظم کی اپیل کی سپریم کورٹ میں سماعت کے دوران اپیل بنچ میں شامل ججوں میں سے ۲ جج یعنی جسٹس قیصر خان اور جسٹس وحید الدین بنچ کے ممبر نہیں رہے اور اس لئے انہیں فیصلے میں حصہ لینے سے خارج رکھا گیا کہ ان کے خیالات بھی بری کرنے والے ۳ ججوں جیسے ہی تھے اس بارے میں کوئی شبہ نہیں کیا جا سکتا۔ اپیل کورٹ میں سماعت کی کارروائی

سپریم کورٹ کے فیصلے پر

پاکستان پیپلز پارٹی کی قرارداد کا مکمل متن

کے ریکارڈ "ٹرانسکرپٹس"۔ اس ضمن میں وافر مواد فراہم کرتے ہیں۔ گو کہ جس طریقے سے وہ علیحدہ ہوئے اس کا ذکر بعد میں کیا جائے گا اس بات میں کوئی شبہ نہیں اگر وہ چیئرمین بھٹو کے مقدمے میں جج رہتے تو وہ آج ایک آزاد شخص ہوتے ریٹائر شدہ دونوں جج صاحبان ابھی زندہ اور دستیاب ہیں اور ملکی قانون کے تحت انہیں آزادی حاصل ہے کہ فیصلے کے حسن و قبیح کے بارے میں اپنی آراء کا اظہار کریں

۴ جج جنہوں نے چیئرمین بھٹو کو الزامات کا مجرم قرار دیا ہے وہ ہیں چیف جسٹس انوار الحق، جسٹس اکرم جسٹس کرم الٰہی چوہان اور جسٹس نسیم حسن شاہ۔ یہ اہم بات ہے کہ چاروں جج سپریم کورٹ میں فائز ہونے سے پہلے لاہور ہائیکورٹ کے جج تھے جس نے اپنے سربراہ چیف جسٹس مولوی مشتاق کے تحت مسٹر بھٹو کو سزائے موت دی امر واقعہ یہ ہے کہ جسٹس کرم الٰہی چوہان اور ڈاکٹر نسیم حسن شاہ آج تک بھی ہائیکورٹ کے مستقل جج ہیں اور صرف ایڈہاک حیثیت میں سپریم کورٹ بنچ میں اجلاس کرتے ہیں۔

اسلامی کانفرنس کے چیئرمین کو پھانسی کی سزا نہ دی جائے

جہاں تک خود چیف جسٹس کا تعلق ہے یہ بات ریکارڈ پر موجود ہے کہ چیئرمین بھٹو نے ابتداء ہی سے جسٹس انوارالحق پر اپنے خلاف ذاتی تعصب کا الزام لگایا تھا۔ گو کہ چیف جسٹس نے مسٹر بھٹو کے اس الزام سے انکار کیا اور اسطرح انہوں نے خود کو اپیل کی سماعت کرنے والی بنچ میں شامل رہنے اور اس کی صدارت کرنے کا اہل قرار دیا۔ چیئرمین بھٹو کے خلاف ان کے گہرے ذاتی تعصب کا نہ صرف یہ کہ اعتراف کیا گیا ہے بلکہ جنرل ضیاءالحق کی حکومت نے اس کا اظہار بھی کیا ہے۔

۲۳ دسمبر ۱۹۷۸ء کے بعد جبکہ اپیل بنچ نے دلائل سننے کے بعد فیصلہ محفوظ کر لیا تھا جج صاحبان کے ذہن کو متعصب بنانے اور مسموم کرنے کے لیئے حکومت نے ایک انتہائی فحش، بیہودہ اور غیر ضروری طور پر طویل مہم شروع کی تا کہ مسٹر بھٹو پر بہتان تراشی کی جائے ان کی کردار کشی کی جائے جو ایک سزائے موت کے منتظر قیدی تھے اور جو اپنے دفاع میں انگلی اٹھانے تک کے قابل نہیں تھے ایک خصوصی پروگرام جس کا عنوان "ظلم کی داستان" تھا تیار کیا گیا اور قسط وار ریڈیو اور ٹی وی کے ابلاغ عامہ کے ذرائع سے پیش کیا گیا اور زیر اختیار اخبارات کے ذریعے اس کی وسیع پیمانے پر تشہیر کی گئی لاہور ہائیکورٹ کے فیصلے کے ان پہلوؤں پر خاص طور پر زور دیا گیا جن کا تعلق چیئرمین بھٹو کے کردار اور ان کی جانب سے فیڈرل سکیورٹی فورس کے مبینہ استعمال سے تھا۔ یہ ایک کوشش تھی اس فیصلے کے لیئے حمایت حاصل کرنے اور سپریم کورٹ کے ججوں پر دباؤ ڈالنے کی۔ توہین عدالت کی کئی درخواستوں کا پیش کرنا بھی حکومت کو اس کی مجنونانہ کاوشوں سے نہ روک سکا۔ پروگرام کو معطل کرنے کی سپریم کورٹ کو یقین دہانی کی پلک جھپکتے میں خلاف ورزی کی گئی، پروگرام کے بعد شرانگیز "قرطاس ابیض" کا ایک سلسلہ شروع کیا گیا جو انصاف کی بہم رسانی میں توہین آمیز رکاوٹ ڈالنے کے مترادف تھا اس دستاویز کی دوسری جلد جو فیصلے کے اعلان سے صرف دو ہفتے قبل جاری کی گئی جس کا تعلق مبینہ طور پر عدلیہ کے اداروں کی چیئرمین بھٹو کے ہاتھوں بربادی سے تھا اس دستاویز میں یہ بات سرکاری طور پر زور دیکر کہی گئی تھی کہ چیف جسٹس انوارالحق چھٹی آئینی ترمیم اور کئی دوسرے مسائل پر جن کی نشاندہی خود چیف جسٹس نے ستمبر ۱۹۷۷ء میں عہدہ سنبھالتے وقت اپنی تقریر میں کی تھی کی بنا پر مسٹر بھٹو کے خلاف جذبات رکھتے تھے۔

چیف جسٹس سے پر زور اور مسلسل اپیلوں کے باوجود کہ وہ مداخلت کریں اور ان اشاعتوں کو روکیں اور فوجداری اپیل پر فیصلے کے اعلان میں اس وقت تک کے لیئے تاخیر کریں جب تک کہ گندگی اور خراب کی ہوئی فضا صاف ہو اور چیئرمین بھٹو کو کم از کم سپریم کورٹ ان ہی ججوں کی حد تک جو اپیل کی سماعت کر رہے ہیں اپنی صفائی میں بولنے کا موقع دیا جائے لیکن انہیں اقدام کرنے پر آمادہ نہیں کیا جا سکا دوسری طرف باقی تین ججوں نے یہ قرار دیتے ہوئے کہ مقدمہ قطعی طور پر ثابت نہیں ہوا ہے چیئرمین بھٹو کی رہائی کا حکم صادر کیا۔ یہ تین جج ہیں جسٹس دوراب پٹیل، جسٹس محمد حلیم اور جسٹس صفدر شاہ ہیں۔

اس طرح ایک کی اکثریت سے چیئرمین بھٹو کو سزائے موت دینے کا حکم صادر ہوا ہے اس شخص کو اس انجام تک پہنچایا گیا ہے جو پاکستان کا پہلا منتخب صدر اور وزیراعظم تھا اور جس نے ملک کو متفقہ دستور دیا تھا۔

یقیناً اس صف بندی نے ملک کی عدلیہ کے اعلیٰ ترین ادارے کی بنیادوں کو ہلا دیا ہے۔ مزید یہ کہ یہ مہین اور کمزور اکثریت بھی اخراج کے ایک قابل اعتراض عمل کے ذریعے حاصل کی گئی ہے۔

چیف جسٹس کے تعصب کی بنیاد پر مسٹر بھٹو کی درخواست پر فیصلہ ہوا تھا کہ اپیل کی سماعت ۹ ججوں پر مشتمل مکمل بنچ کرے سماعت کے دوران مسٹر جسٹس قیصر خان جنہیں پشاور ہائیکورٹ سے ترقی دی گئی تھی کی مدت ملازمت اختتام کو پہنچی۔ تمام سابقہ روایات اور احکام کے برعکس جنرل ضیاء نے ان کی مدت ملازمت میں توسیع نہیں کی۔ "تاکہ وہ مسٹر بھٹو کی اپیل پر فیصلے تک خدمات انجام دے سکیں۔

اس کے بعد مسٹر جسٹس وحیدالدین احمد کی باری آئی جو سپریم کورٹ کے جج کی حیثیت سے ریٹائر ہونے کے بعد ایڈہاک بنیادوں پر کام کر رہے تھے بہرحال چیئرمین بھٹو کے وکیل چونکہ اپنے پہلے تجربے کی وجہ سے فکرمند تھے اسلیئے پر جوش اور پر زور درخواست کی گئی مذکورہ جج کی مدت ملازمت میں توسیع کی جائے تا کہ وہ بھی اپنا فیصلہ دینے کے قابل ہو سکیں چونکہ حکومت کے عزائم کو بے نقاب کیئے بغیر اس درخواست کو رد نہیں کیا جا سکتا تھا اس لیئے انہیں اجازت دی گئی کہ اپیل پر قطعی فیصلہ ہونے تک وہ اپنی ملازمت جاری رکھیں۔

جسٹس وحیدالدین نے مسٹر بھٹو کے وکیل اور وکیل سرکار کی بھی تمام تر معروضات سنیں مگر مسٹر بھٹو کے سینیئر وکیل یحییٰ بختیار کے جوابی اختتامی خطاب کے دوران فاضل جج علیل ہو گئے اور اسپتال میں داخل ہو گئے انہوں نے خود اپنے اس ارادے کا اظہار کیا کہ وہ مقدمے کی سماعت میں شریک رہیں گے اور چیف جسٹس سے چار ہفتے کے لیئے التواء کی درخواست کی تا کہ وہ اپنا کام دوبارہ شروع کرنے کے قابل ہو سکیں مذہ ہفتے کی تاخیر کے لیئے درخواست نامنظور کی گئی اور انہیں بنچ سے خارج کر دیا گیا لیکن حقیقتاً جس بات سے ضمیر پر چوٹ پڑتی ہے یہ ہے کہ انہیں اپنا فیصلہ دینے سے محروم کر دیا گیا خیال آرائی کی کسی ذہنی کے ذریعے یہ دلیل نہیں دی جا سکتی کہ ججوں کے کسی ایک یا دوسرے گروہ سے سادہ سا اتفاق رائے کرنا بھی ان کے امکان سے باہر تھا آج بھی وہ پوری طرح اس قابل ہیں کہ ایک مکمل اور ہمہ گیر فیصلہ دے سکیں اگر وہ مسٹر بھٹو کے وکیل کے آخری ۲ دنوں کے معروضات کی سماعت سے استفادہ نہ کر سکے۔ تو یقیناً اس سے سرکاری فریق کو کوئی نقصان پہنچنے کا احتمال نہیں تھا جس کی پوری کی پوری معروضات انہوں نے سنی تھیں۔

کہ ریاست انہیں بنچ میں رکھنے کا خطرہ مول لینے کے موقف میں نہیں تھی یہ منہ بولتی حقیقت ہے سپریم کورٹ میں کارروائی کے "ٹرانسکرپٹ" یہ ظاہر کریں گے کہ مسٹر جسٹس وحیدالدین ان ۳ ججوں کے مقابلے میں جنہوں نے چیئرمین بھٹو کو بری کیا ہے استغاثے کے مقدمے کے خلاف اپنی رائے کے اظہار میں زیادہ پرزور تھے۔

۸ ججوں پر مشتمل بنچ کی صورت میں ججوں کا برابر کی تعداد میں تقسیم ہونا ایسی بات تھی جسے حکومت برداشت کرنے کے موقف میں تھی ہی نہیں۔ ۴ کے مقابلے میں ۴ کی تقسیم کی صورت میں ہائیکورٹ کی دی ہوئی سزائے موت کی قانوناً توثیق نہ ہوتی اور مسٹر بھٹو آج پھانسی گھاٹ سے باہر ہوتے۔

بہرحال تنازعہ یہاں ختم نہیں ہو جاتا بنیادی سوال یہ ہے کہ آیا اکثریتی فیصلہ وہ ضروری اخلاقی اور قانونی جواز فراہم کرتا ہے جو ایسے شخص کو پھانسی دینے کے لیئے ضروری ہے جو تیسری دنیا کے پیدا کردہ انتہائی مقبول رہنماؤں میں سے ہے اس سے پہلے کہ یہ سوال تیسری دنیا کے ضمیر کے حوالہ سے کیا جائے یہ انتہائی ضروری ہے کہ بری کرنے والے ۳ ججوں کے اخذ کردہ نتائج سے بعض اقتباسات کا حوالہ دیا جائے۔

مسٹر بھٹو کو بری کرتے ہوئے جسٹس دوراب پٹیل نے اس رائے کا اظہار کیا ہے کہ مسٹر بھٹو کے کردار اور عقائد کے بارے میں لاہور ہائیکورٹ کے تبصرے غیر متعلق اور

(باقی صفحہ ۴۸ پر)

اسلام آباد

ذوالفقار حیدری

تمہیں ضرورت نہیں تو بھٹو ہمیں دیدو

ـــــ یاسر عرفات

نصرت بھٹو کو جیپ میں ڈال کر لے جایا جا رہا ہے

امریکی سفیر نے جنرل ضیاء کو اپنی حکومت کے جذبات سے آگاہ کر دیا

سپریم کورٹ میں مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کی اپیل کا فیصلہ ہو گیا ہے۔ اس فیصلہ کے فوری بعد مسٹر بھٹو کے وکیل مسٹر یحییٰ بختیار نے نظر ثانی کی درخواست دائر کرنے کی درخواست دائر کر دی جسے عدالتِ عظمیٰ نے قبول کر لیا ہے۔ فی الوقت مسٹر بھٹو کے وکلاء نظر ثانی کی درخواست کی تیاری میں دن رات مصروف ہیں اور حکومت اس بات میں مصروف ہے کہ پیپلز پارٹی کے ہر اس شخص کو پکڑ لیا جائے جس سے ذرہ برابر بھی خطرہ ہو کہ وہ کوئی گڑبڑ کر سکتا ہے۔ چن چن کر لوگوں کو پکڑا جا رہا ہے۔ احتجاجی مظاہرہ بھی ساتھ ساتھ جاری ہے۔ راولپنڈی میں ایک بس کو آگ لگا دی گئی جلوس بھی روزانہ ہی نکلتے ہیں یہ علیحدہ بات ہے کہ ان میں ابھی زور نہیں ہے۔ حکومت نے اس بات کا پورا پورا اہتمام کر لیا ہے کہ پیپلز پارٹی پر پابندی عائد کر دی جائے کیونکہ وہ اس حتمی نتیجے پر پہنچ چکی ہے کہ انتخابات میں اگر پیپلز پارٹی نے حصہ لیا تو کوئی طاقت اور کوئی حربہ اسے اکثریت سے انتخابات جیتنے سے نہیں روک سکے گا۔ دریں اثناء بیرونی ممالک سے مسٹر بھٹو کی جان بخشی کی اپیلیں آنا شروع ہو گئی ہیں۔ امریکہ نے سب سے پہلے اور بڑے واضح الفاظ میں مسٹر بھٹو کی جان بخشی کی اپیل کی ہے۔ باخبر ذرائع کے مطابق پاکستان میں مقیم امریکی سفیر نے جنرل محمد ضیاء الحق کو صدر جمی کارٹر اور حکومت امریکہ کی اس خواہش سے مطلع کر دیا ہے کہ مسٹر بھٹو کو پھانسی نہ دی جائے

بے نظیر کی دوست وکٹوریہ فیصلہ سننے کے بعد

ان ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ اس ضمن میں صدر امریکہ اور حکومت امریکہ کا واضح الفاظ میں موقف صدر ضیاء الحق تک پہنچا دیا گیا ہے۔ جنرل محمد ضیاء الحق نے فی الحال تو یہ کہہ کر جان چھڑا لی ہے کہ معاملہ عدالت میں زیر سماعت ہے جب ان کے پاس اپیل آئے گی تو وہ غور کریں گے۔ دوسری جانب مسٹر ذوالفقار علی بھٹو نے واضح کر دیا ہے کہ وہ جان بخشی کی اپیل ہرگز نہیں کریں گے کیونکہ وہ خود کو سپریم کورٹ کے فیصلے کے باوجود اس لئے بھی مجرم نہیں سمجھتے کہ تین ججوں نے انہیں بری کرنے کا حکم دیا ہے یوں بھی انہوں نے کہا ہے کہ جنرل ضیاء الحق سے جان بخشی کی اپیل کرنے سے بہتر ہے کہ پھانسی کا پھندا گلے میں پڑ جائے۔ جنرل محمد ضیاء الحق کے اس اعتراض کو یکسر ختم کرنے کے لئے کہ کسی نے مسٹر بھٹو کی جان بخشی کی اپیل نہیں کی تھی، پنے مولوی بھنیسی نے اپنے ساتھیوں کی مرضی سے مسٹر بھٹو کی جان بخشی کے لئے رحم کی باقاعدہ اپیل دائر کر دی ہے۔ مولوی بھنیسی نے یہ اپیل کس کے کہنے پر دائر کی ہے۔ مسٹر بھٹو کی اپیل کا فیصلہ ہوتے ہی بیرون ممالک سے اپیلیں آنا شروع ہو گئیں، اندرون ملک سیاسی لیڈروں نے

• بھٹو کی رہائی کے لئے پنڈی میں خواتین کا جلوس

بغلیں بجانا شروع کر دیں۔ سب بقراط سپریم کورٹ کے فیصلے پر عمل درآمد جنرل محمد ضیاالحق کی ذمہ داری قرار دے رہے ہیں کہ صرف اسی صورت میں ان کا نام اونچا ہو سکتا ہے جب مسٹر بھٹو کی سی سیاسی قدآور شخصیت درمیان میں سے ہٹ جائے۔ اس وقت سب کے پیش نظر صرف ذاتی مفاد ہے کوئی بھی اجتماعی اور قومی مفاد میں نہیں سوچتا کہ اگر مسٹر بھٹو کو پھانسی کی سزا دے دی گئی تو اس کے نتائج قومی سیاست پر اور قومی زندگی پر کیا مرتب ہوں گے۔ ہر شخص اپنی ذات کے حجرے میں بند ہو کر صرف اپنی ذات کے حوالے سے سوچتا ہے ان کی بلا سے، ملک اور قوم کے ساتھ جو مرضی حشر ہو یہ سوچ اس وقت حکومت میں شریک ہر شخص کی بلاتخصیص ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ان میں سے کسی بھی شخص نے اس ملک کو بنانے میں کوئی قربانی نہیں دی۔ اب اچانک مارشل لاء کی بدولت ملک کی پاسبانی، حکمرانی اور نگہبانی ان لوگوں کی جھولی میں جا پڑی ہے جو اس ملک کے قیام کے روز اول سے مخالف تھے اور اب بھی ہیں! اسی لئے تو وہ تنگ نظری سے سوچتے ہیں۔ اگر ان میں سے کسی ایک نے بھی ملک و قوم کے لئے قربانیاں دی ہوتیں تو ان کی سوچ آج یکسر مختلف ہوتی۔

تنظیم آزادی فلسطین کا ایک وفد جناب یاسر عرفات کا پیغام لے کر سب سے پہلے پاکستان پہنچ گیا۔ وفد کو اخبار نویسوں سے نہیں ملنے دیا گیا۔ مگر باخبر ذرائع نے بتایا ہے کہ مسٹر یاسر عرفات نے مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کی جان بخشی کی اپیل کرتے ہوئے کہا ہے کہ اگر جنرل ضیاالحق مسٹر بھٹو کو پاکستان سے باہر جانے کی اجازت دے دیں تو تنظیم آزادی فلسطین انہیں اپنا مہمان بنانے میں فخر محسوس کرے گی۔ یاسر عرفات نے تنظیم آزادی فلسطین اور تحریک آزادی فلسطین کے لئے مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کی خدمات کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے کہا ہے کہ ایسے نامور رہنما کا زندہ رہنا ملک، قوم اور عالم اسلام کے لئے ایک بہت بڑا اثاثہ ہوگا اگر پاکستانی قوم کو اس بطل جلیل کی خدمات کی ضرورت نہیں ہے تو علیحدہ بات ہے عالم اسلام کو تو اس نابغۂ روزگار شخصیت کی صلاحیتوں سے بہرہ ور ہونے کا موقعہ فراہم کیا جائے۔

وفد کے ارکان نے باخبر ذرائع کے مطابق کہا ہے کہ وہ مسٹر بھٹو کو اپنے ہمراہ لے جانے میں بھی فخر محسوس کریں گے۔ وفد کی اس پیش کش کا جواب معلوم نہیں کیا دیا گیا ہے۔

صدر جنرل ضیاالحق نے آئین میں ترمیم کے ذریعے ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ میں شریعت بنچوں کے قائم کرنے کی اجازت دے دی ہے۔ بارہ ربیع الاول کو اسلامی قوانین کے نفاذ کا اعلان بھی کر دیا ہے اس سے پہلے صدر نے ہائی کورٹ کو اختیار دیا ہے کہ وہ اسلام اور سنت کے منافی کسی بھی قانون کو کالعدم قرار دے سکیں یہ اختیار درست ہے مگر اس میں یہ جھول ہے کہ جو قانون کالعدم قرار دیا جائے گا اس کے متبادل قانون کی تیاری کون کرے گا۔ مقننہ تو وجود نہیں ہے اور نہ ہی اس کے مستقبل قریب میں وجود میں آنے کا امکان ہے ہائی کورٹ اگر کسی قانون کو اسلام کے منافی قرار دے دے تو پھر اس قانون کو ختم کر دیا جائے گا مگر اس کا متبادل قانون نہ ہونے کی وجہ سے جو خلا پیدا ہوگا اس کا خیال ہی نہیں رکھا گیا ہے۔ ہم نے پہلے بھی عرض کیا ہے اور پھر عرض کرتے ہیں کہ خدارا ایسے تاثرات نہ دیئے جائیں کہ قوم کے لوگ ان اقدامات کو ہی عین اسلام سمجھ لیں لوگوں کے مسائل اپنی جگہ برقرار ہیں اور صرف سزاؤں پر مشتمل قوانین کے ذریعے اسلامی معاشرہ قائم کرنے کا پرفریب نعرہ لگا دیا جائے۔ ایسے میں اگر لوگوں کی توقعات کو ٹھیس پہنچی تو اس کے ہولناک نتائج برآمد ہوں گے اور تاریخ قوم سے مذاق کرنے والوں کو کبھی معاف نہیں کرتی۔

اخبارات پر کسی قسم کی پابندی نہیں ہے جس روز یہ اعلان مسٹر فاروقی کی وساطت سے اخبارات میں چھپا اسی روز اخبارات کو پریس ایڈوائس جاری ہوئی کہ سپریم کورٹ میں جن ججوں نے مسٹر بھٹو کو رہا کرنے کا فیصلہ دیا ہے ان کو فلیش نہ کیا جائے۔ اگلے روز اخبارات سے کہا گیا کہ وہ کوئی ایسی خبر اور تصویر نہ چھاپیں جس میں کسی ہنگامے کی اطلاع ہو۔ اخبارات کو سپریم کورٹ کے فیصلے کی نقل جاری ہی نہیں ہوئی ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ مسٹر بھٹو کے وکلاء کو ایک نقل دی گئی۔ بتایا گیا کہ مشین خراب ہونے کی وجہ سے فیصلہ کا یہ حصہ پہلے حکومت نے چھاپ کر تقسیم کرنے کا فیصلہ کیا تھا مگر اب یہ فیصلہ بدل دیا ہے ●

ممتاز قانون داں فتحیاب علی خاں کا سپریم کورٹ آف پاکستان کے نام تار

عدالتی کورم پورا نہ تھا، فیصلہ غیر آئینی ہے

۱: مسٹر جسٹس انوار الحق
چیف جسٹس سپریم کورٹ آف پاکستان ۔ راولپنڈی

۲: مسٹر جسٹس محمد اکرم
جج سپریم کورٹ آف پاکستان ۔ راولپنڈی

۳: مسٹر جسٹس دوراب پٹیل
جج سپریم کورٹ آف پاکستان ۔ راولپنڈی

۴: مسٹر جسٹس محمد حلیم
جج سپریم کورٹ آف پاکستان ۔ راولپنڈی

۵: مسٹر جسٹس صفدر شاہ
جج سپریم کورٹ آف پاکستان ۔ راولپنڈی

۶: مسٹر جسٹس نسیم حسن شاہ
جج سپریم کورٹ آف پاکستان ۔ راولپنڈی

۷: مسٹر جسٹس کرم الٰہی چوہان
جج سپریم کورٹ آف پاکستان ۔ راولپنڈی

۸: رجسٹرار
سپریم کورٹ آف پاکستان ۔ راولپنڈی

پٹیشن آر۔ ۱۔ بابت ۱۹۷۹ء میں میں نے معزز سپریم کورٹ کے روبرو عرض کیا تھا کہ آئین سے انحراف کے موجودہ عبوری عرصے کے دوران مسلح افواج، حکومت اور ریاست ایک فرد کی ذات میں مجتمع ہو گئی ہیں اور دوسرے ہر فرد کو ایک فرد کی مرضی کے تابع کر دیا گیا ہے۔ میں نے پٹیشن میں مزید عرض کیا تھا کہ زیڈ۔ اے بھٹو کی اپیل بنام سرکار قومی اور بین الاقوامی سطح پر مرکز توجہ بن گئی ہے اور یہ کہ لوگوں کے ذہن میں ذرا سا بھی شبہ کہ انصاف ہوتا ہوا نظر نہیں آیا، انصاف کے نفاذ کی بنیاد پر ضرب لگائے گا اور اس تصور کو توڑ دے گا جو ہماری عدلیہ کے بارے میں ہے۔

۲: معزز سپریم کورٹ نے میرے موقف کو باوزن پایا اور زیر بحث پروگرام کو روک دیا اور مدعا علیہان کو توہین کے نوٹس جاری کئے لیکن انتظامیہ میں موجودہ آئین سے انحراف جاری رہا اور توہین آمیز اقدامات دوسری شکل میں جاری رکھے گئے۔

۳: میں نے گزارش کی تھی کہ زیر بحث معاملے کی زیڈ اے بھٹو کی اپیل پر فیصلہ سنانے سے پہلے سماعت کی جائے اور فیصلہ دیا جائے لیکن عدالت نے فیصلہ کیا کہ مذکورہ اپیل پر فیصلے کے اعلان کے بعد پٹیشن کی سماعت کی جائے۔

۴: اعلان شدہ فیصلے پر قومی اور بین الاقوامی رد عمل شک کے کسی شائبے کے بغیر یہ ثابت کرتا ہے کہ صادر کردہ فیصلہ متنازعہ بن گیا ہے اور طویل عرصے تک شدید قسم کے عدلی تنازعوں اور سیاسی تنازعوں کا باعث بنا رہے گا۔

۵: ۶ فروری ۱۹۷۹ء کو صادر کردہ فیصلے نے درخواست گزار کی سوچی سمجھی رائے میں کئی عدلی تنازعوں کو جنم دیا ہے اور درخواست گزار چند شدید نوعیت کے عدلی تنازعوں کو حسب ذیل انداز میں پیش کرتا ہے۔

(ا) سپریم کورٹ نے اپیل کی سماعت ۹ ججوں کے ساتھ شروع کی اور فیصلے کے دن ۷ اراکین نے ایک اختلافی فیصلہ دیا۔ ۴ مخالفت میں ۔ ۳ موافقت میں ۔

(ب) مسٹر جسٹس اسلم ریاض حسین کو، جو سپریم کورٹ کے ایک جج ہیں۔ ان کے عارضی طور پر صوبائی انتظامیہ کے سربراہ رہنے کے پیش نظر بنچ میں شامل ہونے کے لئے ناموزوں تصور کیا گیا لیکن اپیل کی سماعت کے دوران اس اصول پر سختی سے عمل نہیں کیا گیا۔

(پ) کہ زیڈ اے بھٹو کی اپیل کے زیر سماعت رہنے کے دوران مقدمے کی سماعت کرنے والی عدالت کے دو اراکین سماعت میں شامل اور موجود رہے۔ حصہ لیتے رہے اور اپنا فیصلہ دیا۔ قانون کی نظر میں سپریم کورٹ پورے لاہور ہائی کورٹ کے فیصلے اور اس کی طرف سے دی جانے والی سزا پر غور کر رہی ہے اور اس وقت مقدمے کی سماعت کرنے والی عدالت کے دو ارکان کی موجودگی اکثریتی فیصلے کے پیش نظر قانوناً یا تو غیر قانونی ہے یا انتہائی قابل اعتراض۔

(ت) سپریم کورٹ نے ۹ اراکین سے ابتدا کی اور گھٹ کر ۷ رہ گئی اور دو اراکین کی غیر موجودگی میں اکثریتی فیصلہ عدالت کے اس کورم کی عدم موجودگی کے نقص کا شکار ہے جس کی موجودگی کارروائی جاری رکھنے کیلئے قانونی طور پر ضروری ہے۔

(ٹ) اگر اپیل پر جاری کردہ فیصلہ متفقہ ہوتا تو عدلی تنازعہ کھڑا نہ ہوتا لیکن اختلافی اکثریتی فیصلے نے عدالت کو غیر عدلی کورم (کورم۔ نان۔ جوڈس) بنا دیا ہے کیونکہ ایسی آئینی شرائط موجود ہیں جن کا تعلق کورم اور خالی آسامیوں کو پُر کرنے سے ہے اور جن پر عمل نہیں کیا گیا ہے۔

مندرجہ بالا کے پیش نظر مزید عرض یہ ہے کہ اگر اپیل کنندہ کی طرف سے نظر ثانی کی درخواست کی جاتی ہے تو اس کی سماعت کا اختیار صرف سپریم کورٹ کے مستقل اہل ججوں کو ہی حاصل ہے۔ درخواست کی جاتی ہے کہ منصفانہ کارروائی، انصاف اور مستقبل میں عدلیہ کے بے داغ وقار اور آزادی کے مفاد میں مسٹر بھٹو کی اپیل میں نظر ثانی کی درخواست کے قبول یا رد کئے جانے سے قبل از راہ کرم پٹیشنر کو سنا جائے۔

انصاف کے مقاصد اور فوری نوعیت کی وجہ سے پٹیشنر کے پاس اس غیر معمولی طریقے سے رابطہ قائم کرنے کے علاوہ اور کوئی چارہ کار نہ تھا۔

فتحیاب علی خاں
ایڈوکیٹ
ہائی کورٹ آف سندھ
پٹیشن نمبر آر۔ ۱۔ ۱۹۷۹ء میں

کراچی
مورخہ ۸۔۲۔۷۹ء

آئینی حکومت کے قیام تک

بھٹو کی سزا پر عمل درآمد ملتوی کر دیا جائے

وہ "غیر جانبداری" کے معیار پر پورے نہیں اترتے

قومی محاذِ آزادی کے سربراہ جناب معراج محمد خان نے ۹ فروری کو ایک بیان جاری کیا ہے جس میں انہوں نے حکومت پر زور دیا ہے کہ وہ نواب محمد احمد خاں کے قتل کے مقدمے میں سزا پانے والے پاکستان کے سابق وزیر اعظم مسٹر ذوالفقار علی بھٹو اور دوسرے افراد کی سزاؤں پر عمل درآمد ایک آئینی حکومت کے قیام تک ملتوی کر دے کیونکہ ۱۹۷۳ء کے آئین کے تحت، جو موجودہ حکومت کے بقول اب بھی نافذ العمل ہے کسی سزا یافتہ ملزم کی سزا معاف کرنے کا خصوصی اختیار صرف منتخب صدر کو حاصل ہے۔

مسٹر معراج محمد خان نے مسٹر اے۔ کے بروہی، سابق جج مسٹر بی نیڈ کیکاؤس اور سابق اٹارنی جنرل چوہدری نذیر احمد کی طرف سے رائے عامہ اور عدلیہ کو متاثر کرنے کی غرض سے ایسے وقت تنازعہ کھڑا کرنے کی مذمت کی ہے جب کہ مسٹر بھٹو کی طرف سے نظر ثانی کی درخواست پیش کی جانے والی ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ یہ "حضرات اس حقیقت کو دیکھ نہیں پاتے کہ ابتداً میں سپریم کورٹ کی فل بنچ ۹ ججوں پر مشتمل تھی جن میں ایک دوران سماعت ریٹائر ہو گئے جب کہ ایک دوسرے جج اتفاقاً بیمار ہو گئے اور ۳ معزز جج صاحبان نے مسٹر بھٹو کو بری کیا ہے یہ غیر معمولی صورتِ حال اس بات کے لئے مضبوط بنیاد فراہم کرتی ہے کہ فوجداری کے اس مسلمہ اصولِ عدل کا اطلاق کیا جائے کہ عدالت کے فیصلے پر عمل درآمد کے موقع پر شک کا فائدہ لازمی طور پر ملزم کو پہنچنا چاہیئے۔

مسٹر معراج محمد خان نے اس نکتہ نظر سے اختلاف کیا کہ "ملک میں قانون کی حکمرانی ہے اور کوئی شخص قانون سے بلند نہیں ہے"۔ انہوں نے کہا کہ مہذب اور جمہوری معاشروں میں عدل کا مطلب انصاف اور غیر جانبداری اور قانون کی حکمرانی کا مطلب آئین کی بالادستی، ایک جمہوری طرز پر منتخب حکومت اور بنیادی حقوق کا وجود ہوتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ اس سیاق و سباق میں مارشل لا کے تحت قانون کی حکمرانی نہیں ہو سکتی۔

مسٹر معراج محمد خان نے جنرل ضیاالحق کے اس اعلان کا بھی حوالہ دیا کہ اگر مسٹر بھٹو کی رحم کی درخواست ان کے سامنے غور کے لئے پیش ہوتی ہے تو وہ یک نفری عدالت کے طور پر اس پر منصفانہ اقدام کریں گے۔ انہوں نے اس نکتے پر زور دیا کہ جنرل ضیاالحق عدالت کی بنیادی شرط جو "غیر جانبداری" ہے، کو پورا نہیں کرتے۔ یہ حقیقت برقرار ہے کہ انہوں نے مسٹر بھٹو کو اقتدار سے ہٹایا تھا اور انہوں نے فیصلے سے بہت پہلے ہی یہ اعلان کر کے اپنے عزائم کا اظہار کر دیا تھا کہ وہ سپریم کورٹ کے فیصلے پر ہو بہو عمل کریں گے۔ اس اقدام سے انہوں نے اپنی غیر جانبدار حیثیت کو نقصان پہنچایا ہے اور لوگ ان کے فیصلے کو تعصب پر مبنی اور جانبدارانہ تصور کریں گے۔

انہوں نے حکومت سے اپیل کی کہ وہ سزا پر عمل درآمد روک دے اور ملک میں منصفانہ انتخابات کے انعقاد کا بندوبست کرے کیونکہ صرف ایک منتخب حکومت ہی آئین کے تحت معافی کے اختیار کا منصفانہ استعمال کر سکتی ہے

مارشل لا میں قانون کی حکمرانی نہیں ہو سکتی، معراج محمد خاں

سرحد

خلیل خان خٹک

سرحد میں پیپلز پارٹی کے ایک ہزار سے زائد کارکن اور رہنما گرفتار

۶ فروری ۱۹۷۹ء کو صبح ساڑھے گیارہ بجے کے لگ بھگ پیپلز پارٹی کے چیئرمین ذوالفقار علی بھٹو کی سزائے موت بحال رکھنے سے متعلق سپریم کورٹ کے اکثریتی فیصلے کی خبر جیسے ہی پشاور پہنچی ہر طرف سوگ سی کی کیفیت طاری ہو گئی پشاور شہر کے مختلف حصوں اور یونیورسٹی میں نوجوان اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکے اور غم و غصّہ کے اظہار کے لیے سڑکوں پر نکل آئے انہوں نے جناب بھٹو کی سزائے موت منسوخ کرنے کے حق میں پُرامن مظاہرے کیے لیکن انتظامیہ اور ایک خاص سیاسی پارٹی کے پالتو غنڈوں نے مظاہرین میں گھس کر نہ صرف یہ کہ بعض مقامات پر توڑ پھوڑ کی بلکہ یونیورسٹی پوسٹ آفس سے تقریباً سترہ ہزار روپے کی نقد رقم لوٹ کر بھی لے گئے، عام تاثر یہ ہے کہ اس سے پہلے ان ہی عناصر کی جانب سے پشاور میں دھماکے کرانے کا سلسلہ بھی جاری ہے توڑ پھوڑ اور دھماکوں کی اس سیاست کا مقصد یہ ہے کہ پیپلز پارٹی کو موردِ الزام ٹھہرا کر اس پارٹی پر پابندی لگوانے کے لیے راہ ہموار کی جائے اس سلسلے میں لوگوں کے شکوک و شبہات کو اس حقیقت سے تقویت ملتی ہے کہ انتظامیہ نے جو پیپلز پارٹی کے کارکنوں کو کسی جواز اور بنیاد کے بغیر گھر بیٹھے گرفتار کر لیتی ہے ان پُراسرار دھماکوں کے سلسلے میں اب تک ایک شخص کو بھی حراست میں نہیں لیا ہے جس سے لوگ یہ نتیجہ اخذ کرنے میں حق بجانب ہیں کہ یہ کام "اپنے ہی بندے" کر رہے ہیں لہٰذا گرفتار کسے کیا جائے۔

ملک کے دوسرے حصوں کی طرح پشاور اور صوبہ سرحد کے دوسرے شہروں میں بھی ۲ اور ۳ فروری کی درمیانی شب سے پیپلز پارٹی کے لیڈروں کارکنوں اور خواتین رہنماؤں کی گرفتاریاں شروع ہو گئی تھیں جس سے عوام سمجھ گئے تھے کہ کچھ ہونے والا ہے ایک اندازے کے مطابق صوبے کے طول و عرض میں ۲ سے ۴ فروری تک ایک ہزار سے زائد پارٹی ورکروں اور لیڈروں کو گرفتار کر کے پسِ زنداں دھکیل دیا گیا ان میں پیپلز پارٹی صوبہ سرحد کے صدر جناب آفتاب احمد خان شیرپاؤ جن کی گرفتاری رات ایک بجے پیپلز ہاؤس واقع یونیورسٹی ٹاؤن سے عمل میں آئی۔ صوبہ سرحد کے جنرل سیکریٹری مسٹر ظفر احمد قریشی ایڈووکیٹ، پشاور سٹی کے جنرل سیکریٹری مسٹر سعید احمد خان، تحصیل کے صدر نواز احمد خان ایڈووکیٹ، مشہور شاعر احمد فراز کے بھائی اور ممتاز قانون دان بیرسٹر مسعود کوثر۔ سید قمر عباس ایڈووکیٹ، نثار محمد خان آف گل آباد، تحصیل چارسدہ کے صدر ڈاکٹر عبدالرؤف، تحصیل چارسدہ کے جنرل سیکریٹری زمان الدین فرمان، سید سعادت حسین ایڈووکیٹ، تحصیل صوابی کے صدر محمد خورشید خان ضلع مردان کے صدر میاں سردار الدین! جا کے علاوہ پارٹی کے سرکردہ کارکن اور درجنوں خواتین رہنما بھی شامل ہیں۔ ان میں پاکستان پیپلز پارٹی بغدادہ وارڈ شعبہ خواتین مردان کی ضعیف العمر اور علیل صدر بیگم سردار علی خان بھی شامل ہیں جنہیں دھوکہ سے اس بہانے رات بارہ بجے ڈی سی آفس بلوایا گیا کہ صاحب کو آپ سے ایک ضروری مشورہ کرنا ہے لیکن وہاں انہیں بتایا گیا کہ آپ گرفتار ہیں انہیں گھر سے کپڑے وغیرہ بھی نہیں منگوانے دیئے گئے اور راتوں رات سنٹرل جیل پشاور پہنچا دیا گیا۔ بیشتر خواتین کارکنوں کو اسی جیل میں رکھ دیا گیا ہے جبکہ دو کارکنوں کو سنٹرل جیل ہری پور اور ڈیرہ اسماعیل خان بھجوا دیا گیا ہے۔

پشاور میں یہ سوال عام موضوعِ بحث بنا رہا کہ کیا انتظامیہ کو فیصلے سے پہلے ہی باخبر کر دیا گیا تھا اس ضمن میں ایک واقعہ کا ذکر خالی از دلچسپی نہیں ہو گا جو پشاور سے راولپنڈی جانے والے بعض لوگوں نے منگل کے روز صبح ۹ اور ۱۰ بجے کے درمیان اسلام آباد میں بچشم خود اور لقائمی ہوش و حواس دیکھا اور حیرت زدہ رہ گئے۔ اسلام آباد کی آب پارہ مارکیٹ میں ایک دکان کے سامنے ایک صاحب فرطِ مسرت سے پھولے نہیں سما رہے تھے اور اپنی دکان پر آنے والوں سے یوں گلے مل رہے تھے گویا آج ان کی عید ہو یہ صاحب بھٹو کو پھانسی کا حکم ہونے پر خوشی منا رہے تھے حالانکہ ابھی اس وقت فیصلہ سنائے جانے میں ایک گھنٹہ باقی تھا تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ صاحب کسی "بڑے صاحب" کے "مقربِ خاص" ہیں اور اس بڑے صاحب کی اہلیہ محترمہ نے اپنی بہن کو جو اس "مقربِ خاص" کی بیوی ہیں پہلے ہی بتا دیا تھا کہ کیا فیصلہ ہو رہا ہے اس سے بھی کئی دن پہلے اس "بڑے صاحب" نے ملاقات کے لیے آنے والے کچھ لوگوں کو واضح طور پر بتا دیا تھا کہ " لا آرڈر لا " ہم بھٹو کو کسی صورت میں نہیں چھوڑیں گے۔ ہم پر کوئی دباؤ نہیں ہے اور سپریم کورٹ جو فیصلہ سنائے گی اس پر عمل کیا جائے گا ظاہر ہے کہ اس سے ان کی مراد بری کیے جانے کے فیصلے سے نہیں تھی بلکہ مطلب پھانسی کے فیصلے پر عملدرآمد کرنا تھا کیونکہ بری کیے جانے کی صورت میں تو جناب بھٹو کے لیے متبادل پھندے تیار رکھے گئے تھے لہٰذا اصل سوال کسی عدالت کے چھوڑنے یا نہ چھوڑنے کا نہیں ہے بلکہ یہ معاملہ حکمرانوں کی صوابدید پر منحصر ہے۔

جناب بھٹو کی سزائے موت سے متعلق سپریم کورٹ کے فیصلے کے اعلان کے بعد بعض مقامات پر غیظ و غضب کے مظاہروں کے ساتھ ساتھ کچھ رقت آمیز مناظر بھی دیکھے گئے ڈبگری کے علاقے میں جو پشاور کا ایک قدیمی محلہ ہے ایک ضعیف خاتون صبح سویرے سے بے قراری کے عالم میں اِدھر اُدھر گھوم پھر رہی تھی بارہ بجے جیسے ہی مقامی اخبارات کے ضمیمے مارکیٹ میں آئے لپک کر اس خاتون نے بھی ایک ضمیمہ خریدا۔ اور پھر راہ چلتے ایک شخص کو روک کر اسے پڑھ کر سنانے کو کہا جیسے ہی اسے سرخی پڑھ کر سنائی گئی اس نے ہائے ظالم.... ہائے ظالم... کا نعرہ لگا کر اپنا سر پیٹ ڈالا۔ اسے اس طرح روتے پیٹتے دیکھ کر وہاں بہت سے لوگ جمع ہو گئے اور پولیس بھی موقع پر پہنچ گئی پولیس والوں نے اس ضعیف العمر خاتون کو بڑی مشکل سے یہ کہہ کر خاموش

(باقی صفحہ ۵۰ پر)

کیا سپریم کورٹ کا فیصلہ وقت سے پہلے خاص لوگوں تک پہنچ چکا تھا؟

این ڈی پی میں بھی "لیفٹ رائٹ" ہو رہی ہے

شریف ملتانی

وہ سیاسی جماعتیں جو بظاہر بائیں بازو کی سیاست کا پرچم بلند کئے ہوئے ہیں پیپلز پارٹی کی جگہ لینے کے لئے بے تاب نظر آتی ہیں۔ چنانچہ ملک کی ایک بڑی جماعت نیشنل ڈیموکریٹک پارٹی میں بھی "لیفٹ رائٹ" ہو رہی ہے۔ اور اس سیاسی پریڈ کے نتائج آئندہ ماہ منظر عام پر آئیں گے۔ پارٹی کے قریبی حلقوں کا کہنا ہے کہ اس وقت پارٹی دو واضح دھڑوں میں بٹ گئی ہے جس کا مظاہرہ کراچی کے جلسے اور ملتان کے اجلاس میں بھی ہوا ہے۔ یہ بات بڑی واضح ہے کہ پارٹی کے موجودہ صدر سردار شیر باز مزاری اور نائب صدر بیگم نسیم ولی خاں سوشلزم کے نام سے گھبراتے ہیں۔ ولی خاں تو پہلے ہی اپنی نیشنل عوامی پارٹی کو مشرف بہ اسلام کر چکے ہیں اور سوشلزم پر یقین رکھنے والے ساتھیوں کو چن چن کر نکال دیا تھا۔ لیکن میر غوث بخش بزنجو کی این ڈی پی میں شمولیت سے یہ بحث ایک بار پھر چھڑ گئی ہے۔ این ڈی پی کی قیادت یعنی ولی خاں بیگم ولی خاں، سردار مزاری اور ان کے ساتھیوں کو اس بات کا پوری طرح احساس ہے کہ جب تک بلوچستان کے سرداران کی جماعت میں شامل نہیں ہوں گے پارٹی کو سیاسی طور پر استحکام نصیب نہیں ہوگا کیونکہ اب صوبہ سرحد میں بھی این ڈی پی پس منظر میں چلی گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پارٹی کی قیادت نے میر غوث بخش بزنجو کی منت سماجت کر کے انہیں پارٹی میں شامل ہونے پر رضامند کر لیا اور اس طرح "سوشلزم" "قومیتوں" اور دوسری بہت سی کڑوی گولیاں ایک ساتھ نگل لیں۔ بزنجو صاحب کا خیال تھا کہ جونہی وہ پارٹی میں شمولیت کا اعلان کریں گے دوسرے بلوچ سردار، عطاء اللہ مینگل، خیر بخش مری اور ان کے ساتھی بھی پارٹی میں شامل ہو جائیں گے۔ لیکن ایسا نہیں ہوا کیونکہ ان بلوچ سرداروں کو ولی خاں کی سیاسی سوچ پر اعتماد نہیں ہے۔ اور وہ پارٹی میں شمولیت کے لئے اپنی شرائط منوانا چاہتے ہیں۔ دوسری طرف ولی خاں اور ان کے ساتھی بلوچ سرداروں کی شرائط کو اپنی پسپائی تصور کرتے تھے۔ اس لئے بات آگے نہ بڑھ سکی۔

بلوچستان کی سرحدوں کے ساتھ ایران اور افغانستان کے واقعات نے بلوچ لیڈروں کو اپنی سوچ کا رخ متعین کرنے کے لئے جلد از جلد کارروائی پر اکسایا۔ چنانچہ انہوں نے اپنے ساتھیوں کا ایک اجلاس بلا کر صورت حال پر غور کیا اور فیصلہ ہوا کہ اگر وہ این ڈی پی میں شامل ہو کر پارٹی کی مجموعی سوچ کو سوشلزم کی بنیادوں پر استوار کرنے کی پوزیشن میں ہوں تو پھر پارٹی میں شامل ہو جانا چاہیئے۔ بصورت دیگر کسی دوسری پارٹی کا رُخ کرنا چاہیئے۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے طے کیا کہ وہ تمام ساتھیوں سے ملاقات کریں گے۔ جو اس غیر منقسم نیشنل عوامی پارٹی میں کام کرتے رہے ہیں۔ جس کے صدر مولانا عبدالحمید خاں بھاشانی (مرحوم) تھے۔ چنانچہ بلوچ لیڈروں نے پنجاب، سندھ اور سرحد کے ایسے ساتھیوں سے رابطہ قائم کر رکھا ہے، خواہ وہ کسی بھی جماعت میں ہیں، آئندہ مہینے ان تمام سیاسی کارکنوں کا اجلاس ہوگا۔ اگر تو یہ لوگ نیشنل عوامی پارٹی پر قبضہ کرنے کی پوزیشن میں ہوئے تو ٹھیک ہے بصورت دیگر وہ کوئی دوسری سیاسی جماعت بنا لیں گے۔

پارٹی کے ایک ذریعے نے بتایا ہے کہ یہ بھی ممکن ہے کہ اس اجتماع میں یہ فیصلہ ہو جائے کہ پنجاب کی مساوات پارٹی اور کراچی کے قومی محاذ آزادی اور بلوچ لیڈروں کی تثلیث یا "سہ فریقی" کانفرنس کو ایک نئی پارٹی کی شکل میں عوام کے سامنے لایا جائے۔ اس سلسلہ میں بلوچ لیڈروں کا اعتماد رکھنے والے این ڈی پی کے ایک بڑے لیڈر نے جناب حنیف رامے سے بات چیت کا آغاز کر دیا ہے۔ رامے صاحب خود بھی بلوچ رہنماؤں سے کئی بار مل چکے ہیں۔ دوسری طرف جناب معراج محمد خاں بھی انہیں لائنوں پر کام کر رہے ہیں —— "این ڈی پی" ولی خاں گروپ" بھی اس صورت حال سے بے خبر نہیں ہے۔ چنانچہ اس کی سرگرمیاں بھی تیز ہو گئی ہیں۔ اور بیگم ولی خاں نے پیپلز پارٹی کے اعتدال پسند گروپ کے رہنماؤں" اور "غیر وابستہ" سیاسی کارکنوں سے رابطہ کی مہم شروع کر دی ہے۔ اگرچہ ابھی تک انہیں کسی گوشے سے کوئی خاص کامیابی نصیب نہیں ہوئی۔ کیونکہ پیپلز پارٹی کے کارکن اور رہنما موجودہ صورت حال میں پارٹی چھوڑنے پہ تیار نہیں ہیں۔ تاہم بیگم صاحبہ اپنی اس مہم کے مثبت نتائج پہ یقین رکھتی ہیں۔ بیگم صاحبہ نے اپنی ملاقاتوں میں سیاسی کارکنوں کو حکومت کے ساتھ تعاون کے بارے میں اپنی حکمت عملی سے مطمئن کرنے کی کوشش بھی کی ہے۔ اور کہا ہے کہ یہ ایک وقتی بات تھی۔ ہم اپنی صفیں درست کر رہے ہیں۔ کیونکہ ہمیں نظر آ رہا ہے کہ پیپلز پارٹی کے بعد اب ہماری باری آئے گی۔ اور ہمیں حکومت کے تشدد کا شکار ہونا پڑے گا۔ اس لئے ہم ابھی سے تیاری کر رہے ہیں۔ ●●

بھٹو الزامات کا جواب دیتے ہیں

میں نے ۲۲ خاندانوں کی خواہشات پر ملک اور قوم کے مفاد کو قربان کرنے سے انکار کردیا

عدلیہ صرف آئین کے سائے میں آزادانہ کام کرسکتی ہے بندوق کے سائے میں نہیں

زرعی اصلاحات کی خلاف ورزی کرنیوالوں میں کھوڑو کا نام شامل نہیں کیا گیا

الزام: مسٹر بھٹو نے زرعی اصلاحات کے قوانین کی خلاف ورزی کی تاکہ پی پی پی میں اعلیٰ صفوں کے اراکین کو فائدہ پہنچے۔

جواب: میں نے مارچ ۱۹۷۲ء اور جنوری ۱۹۷۷ء میں دور رس زرعی اصلاحات نافذ کیں۔ ان زرعی اصلاحات نے ہماری زرعی اقتصادیات کا ڈھانچہ بدل کر رکھ دیا ہے جو ہڑپہ اور موہنجوڈارو کے زمانہ سے ہی تاریکیوں میں ڈوبے ہوئے تھے۔ اصلاحات اراضی پر مناسب عملدرآمد کے لئے میرا یہ ارادہ تھا کہ فیڈرل لینڈ کمیشن کے چیئرمین کو اپنے اختیارات سونپ دیئے میں نے جو چیئرمین مقرر کیا وہ وزیر زراعت شیخ محمد رشید تھے۔ وہ تمام تر عمر زرعی اصلاحات کے لئے جدوجہد کرتے رہے زرعی اصلاحات سے ان کا گہرا جذباتی اور مجنونانہ لگاؤ تھا ہر شخص اس بات سے واقف ہے کہ جہاں تک زرعی اصلاحات کا تعلق ہے شیخ رشید کی ذات ایسی نہیں تھی جو زمینداروں کو ذرا سا تنکے کا فائدہ بھی دیتی ایسے فیڈرل لینڈ کمیشن کے ساتھ جس کے چیئرمین شیخ رشید تھے اور جسے خود کار اختیارات کے علاوہ اپیل نظر ثانی اور جائزہ کے اختیارات بھی حاصل تھے کسی بھی متاثر فرد کے ساتھ ناجائز رعایت برتنے کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ اس کے باوجود بے شمار افراد نے فیڈرل لینڈ کمیشن کے چیئرمین کے فیصلوں کے خلاف وزیر اعظم کی حیثیت سے مجھ سے اپیل کی۔ انہوں نے مجھے طویل عرضداشتیں پیش کیں۔ انہوں نے دعویٰ کیا کہ فیڈرل لینڈ کمیشن کے

چیئرمین حقائق کو نظر انداز کر رہے ہیں اور زمیندار طبقہ کے خلاف حقائق کو نظر انداز کرکے اہلیت کی بنیاد نہیں بلکہ اپنی سیاسی دشمنی کی بنیاد پر فیصلے دے رہے ہیں اگر میری یادداشت صحیح ہے تو کسی کیس پر بھی میں نے فیصلہ نہیں دیا۔ میں نے بیشتر عرضداشتوں کو کمیشن کے چیئرمین کے پاس بھیج دیا۔ میں نے بیشتر عرضداشتوں کو کمیشن کے چیئرمین کے پاس بھیج دیا۔ بعض کیسوں کے سلسلے میں اپنے خصوصی معاون برائے زراعت ملک خدا بخش بچہ سے کہا کہ وہ اس موضوع پر اپنے وسیع تجربات کے پیش نظر عرضداشتوں پر غور کرنے کے بعد اپنی رائے سے آگاہ کریں بقیہ کیسوں کو میں نے کیبنٹ سیکرٹری کے سپرد کردیا کہ وہ خود یا وزارت قانون ان پر غور کرے۔ بالآخر جب ایسی عرضداشتوں کی تعداد بڑھتی گئی۔ میں نے سپریم کورٹ کے ایک سابق جج مسٹر جسٹس محمد گل کو مقرر کیا کہ وہ عرضداشتوں پر اپنی قانونی رائے پیش کریں۔ میں ایک بار پھر اس بات کو دہراتا ہوں کہ میں کسی ایک بھی عرضداشت پر خود کوئی فیصلہ نہیں دیا ضمیمہ میں جو نام دیئے گئے ہیں وہ نہ تو میری جماعت کے رکن ہیں اور نہ میرے قریب سمجھے جاسکتے تھے فی الحقیقت

شیخ رشید کو فیڈرل لینڈ کمیشن کا چیئرمین بنایا

کیونکہ وہ عمر بھر زرعی اصلاحات کے لئے جدوجہد کرتے رہے ہیں

بعض متذکرہ نام میرے بدترین سیاسی حریف تھے اور اب بھی ہیں۔ اس ضمیمہ میں مسٹر ایم اے کھوڑو کا ذکر نہیں کیا گیا ہے۔ جب میں اقتدار میں نہیں ہوتا تو وہ میرے مقامی حریف ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور جب میں برسرِ اقتدار ہوتا ہوں تو میرے محبوب چچا بن جاتے ہیں مسٹر کھوڑو نے بھی اپنی زمینوں، اپنے کنبہ اور رشتہ داروں کی زمینوں کے سلسلے میں مجھے عرضداشتیں پیش کی تھیں۔ میں نے انصاف کے لئے ان کی عرضداشتوں کو فیڈرل لینڈ کمیشن کے چیئرمین کے پاس بھیج دیا چیئرمین فیڈرل لینڈ کمیشن نے فائل پر ایک طویل نوٹ لکھا جس میں کہا گیا تھا کہ مسٹر ایم۔ اے کھوڑو نے واضح غیر قانونی طریقے سے ہزاروں ایکڑ زمین غصب کرلی اور یہ کہ بے شرمی کے ساتھ انہوں نے اصلاحات اراضی کی خلاف ورزی کی ہے جب مسٹر کھوڑو نے اپنی عرضداشت کے سلسلے میں دوبارہ مجھ سے رجوع کیا تو میں نے انہیں فیڈرل لینڈ کمیشن کے چیئرمین کی رائے سے آگاہ کردیا مسٹر کھوڑو نے مجھ سے التجا کی کہ ان کا کیس کسی اور افسر کے سپرد کردیا جائے ان کی درخواست پر میں نے ان کی عرضداشت مذکورہ بالا افسروں میں سے ایک کے سپرد کردی۔ اس سے میرے منصف ہونے کا اظہار ہوتا ہے۔ جانبداری کا نہیں۔

الزام :۔ اپنے ذاتی اقتدار کے تحفظ کے لئے مسٹر بھٹو نے سرمایہ داروں کے خلاف انتقامی کارروائیاں کیں

جواب :۔ اس پیراگراف میں بالآخر مدعا علیہ اجارہ دار سرمایہ داری کے ایجنٹ کی حیثیت سے اپنے اصل رنگ میں ظاہر ہوگیا ہے اور اس نے پیراگراف میں اپنا مقصد منکشف کردیا تین ماہ کی مختصر مدت میں عالمی سامراج اور نو استعماریت کی اطاعت گزاری کا واضح مظاہرہ کردیا ہے جیسے دن کے بعد رات آتی ہے اسی طرح اس نے اپنے آپ کو بڑے سرمایہ داروں کا خیمہ بردار ثابت کیا ہے جو ہمارے ملک میں سامراج اور اس کے آلہ کاروں کے درمیان پل کا کام دیتا ہے بلی تھیلے سے باہر آچکی ہے اقتدار کی سیاست کی بازی گری کا یہ اصل نکتہ ہے سرمایہ داری یا بڑا سرمایہ دار قومی اقتصادیات کو فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔

آج ہر جگہ سرمایہ داری کی عمارت گر رہی ہے حتیٰ کہ یہ اپنی جائے پیدائش یورپ اور امریکہ میں بھی دم توڑ رہی ہے قوم اور عوام کے اعلیٰ مفادات کی حفاظت اس نظام میں ناممکن ہے میں نے اجارہ دار سرمایہ داری کی منڈی کو ذاتی اقتدار کے استحکام کے لئے ختم نہیں کیا بلکہ قومی اقتدار کے استحکام کے لئے ختم نہیں کیا بلکہ قومی اقتدار کے استحکام کے لئے ایسا کیا اس اعلیٰ قومی مقصد کے ساتھ میں نے بڑی بڑی صنعتوں بنکوں انشورنس کمپنیوں اور جہاز رانی کو قومی ملکیت بنا دیا پھر میں نے سرکاری شعبے میں عظیم الشان اسٹیل مل کی تعمیر کا کام شروع کیا سرکاری شعبے میں کھاد اور شکر کے متعدد کارخانوں کی تعمیر جاری ہے۔ شکر کے معاملے میں اب ہم تقریباً خود کفیل ہیں۔ گندم میں خود کفیل ہوکر میری حکومت نے ایک عظیم الشان کارنامہ انجام دیا ہے اپنے زمانے میں ہم نے چاول کی پیداوار کے معاملے میں سارے ریکارڈ توڑ دیئے یہی بات کپاس کے معاملے میں بھی ہوتی مگر سیلابوں اور شدید بارشوں نے کپاس کی فصل کو متاثر کردیا ہم خود کفیل اقتصادیات کے دہانے پر کھڑے تھے۔ مگر مارشل لاء نے اس میں دخل اندازی کی۔ غالباً مارشل لاء کی سب سے بڑی ضرورت یہی تھی۔ اس ہمہ گیر ترقی کو تباہ کرنے کی ہر ممکن کوشش کی جارہی ہے اس کا نتیجہ قومی اقتصادیات کی تباہ کاری کی صورت میں ظاہر ہوگا تجار طبقہ کے ارکان کے خلاف مجھے ذاتی عناد نہیں تھا۔ سائینٹفک اقتصادی نظام کی بلند منزل میرے پیش نظر تھی اور اُسی کے پیش نظر میں نے اس طبقہ کے متعلق اپنا رویہ متعین کیا تھا۔ اس ملک کے ساڑھے سات کروڑ عوام کی زندگیوں کا سودا لالچی اور غیر محدود اقتصادی مارکیٹ کے ساتھ نہیں کیا جاسکتا تھا۔ ۲۲ کنبوں کی خواہشات اور خود غرضیوں کے مقابلے میں قومی اقتصادیات کی اہم حدود زیادہ اہمیت کی حامل تھیں یہ محنت کش عوام کے بل پر چند لالچیوں کی حمایت کرنے کا سوال نہیں تھا اس میں ذاتیات کا دخل نہیں تھا ممکن ہے کہ تاجر طبقہ میری حکومت کا مخالف ہو کیونکہ یہ فطری بات ہے کہ عوام دشمن طاقتیں اقتدار اور دولت کے بل پر ایک عوامی حکومت کے خلاف صف آرا ہو جائیں میں فخر کے ساتھ اس بات کا اقرار کرتا ہوں کہ میں عوام کے ساتھ تھا۔ مجھے یہ جان کر بھی فخر محسوس ہوتا ہے کہ مجھے اس لئے سزا دی جارہی ہے کہ میں مظلوم اور استحصال زدہ طبقوں کی حمایت میں سینہ سپر تھا اس پیراگراف میں مجھ پر جو نکتہ چینی کی گئی ہے وہ میرے لئے تمغہ کی حیثیت رکھتی ہے یہ میرے لئے کلمات تحسین ہیں اور میں اس کے لئے مشکور ہوں۔ یہ ضروری تھا کہ تاجر طبقہ کو اس کے صحیح مقام پر رکھا جاتا تاکہ اسے اس ملک کے مظلوم عوام کا خون چوسنے سے روکا جاسکے اجارہ دار سرمایہ داری کو جو لامحدود اختیارات حاصل تھے۔ اسی کی وجہ سے پاکستان کے قیام کے ۲۵ برسوں میں بھی ہمارے عوام کا شمار دنیا کے غریب ترین لوگوں میں ہوتا تھا میں نے ان کی قسمت کو بدلنے کا خواب دیکھا تھا۔ میں نے عوام کی طرف سے مقدس جہاد شروع کیا تھا۔ مگر اب ضرورت کے نام پر مدعا علیہ عوام کے کارواں کو روکنے کے لئے منظر پر نمودار ہوا ہے لیکن وقت کا پہیہ پیچھے نہیں گھمایا جاسکتا طاقت کا سرچشمہ عوام ہیں سامراج کے مقامی ایجنٹ نہیں اس طریق کار کو پیچھے کی طرف لوٹانے کی ہر کوشش کا انجام عبرت ناک ہوگا وقت کی متحرک انگلیوں نے عوامی عظمت کا باب لکھ دیا ہے اور آئندہ بھی عوام کی فتح کا باب لکھتی رہیں گی۔ یہ مستقبل کو فیصلہ کرنے دیجئے کہ کس نے قومی اقتصادیات کو نئی زندگی بخشی جو لوگ فرسودہ شکل میں آزادانہ تجارت و صنعت کے نظریہ کی حمایت کرتے ہیں وہ قومی اقتصادیات کے دشمن ہیں۔ مدعا علیہ کو جاننا چاہیئے کہ آدم اسمتھ کو تاریخ کے ملبے میں دفن کیا جاچکا ہے یہ دلتاریت کا عہد ہے۔ راہزن نوابوں کا نہیں۔

پاکستان میں اصل جدوجہد "اسلام" اور "کفر" کے درمیان نہیں ایسا ہو ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ پاکستان کی نوے فیصد یا اس سے زائد آبادی نہ صرف مسلمان ہے بلکہ اسلام پر ان کا عقیدہ کسی سے کم تر نہیں پاکستان کی تاریخی بنیاد کے پیش نظر اور ان تاریخی قربانیوں کے پیش نظر جو غیر منقسم ہندوستان کے مسلمانوں نے پاکستان کے لئے دی تھیں پاکستان روئے زمین پر آخری ملک ہوگا جہاں "کفر و اسلام" کے درمیان جنگ یا تصادم رونما ہو۔ اصل جنگ سرمایہ دار طبقہ جنہیں ان کے نمائندوں کی حمایت حاصل ہے اور پرولتاریہ کے درمیان ہے جنہیں ان کے نمائندوں کی حمایت حاصل ہے یہ جنگ استحصال پرستوں اور غریبوں استحصال زدوں

قائد اعظم کی تاریخی تقریر کا مسوّدہ جلا دیا گیا

اور قائد اعظم کے کاغذات کو زبردست تلاشی لینے کے بعد ان کی چاٹگام تقریر کے مسودہ کو جلا دیا تھا جو اس وقت کراچی یونیورسٹی کی تحویل میں تھا۔ یہ ایک ناکام اور گھٹیا کوشش تھی۔ چاٹگام میں قائد اعظم کی تقریر تاریخ کا ایک جزو بن چکی ہے اور اس تقریر میں اسلامی سوشلزم کے متعلق جو اعلان کیا گیا ہے۔ اسے اصلی مسودہ کو جلا کر تاریخ کے صفحات سے مٹایا نہیں جاسکتا مدعا علیہ سے قریب تر ہو کر مجھے انہیں یاد دلانے دیجئے کہ قائد اعظم آئینی جمہوریت پر یقین رکھتے تھے قائد اعظم نے واشگاف الفاظ میں کہا تھا کہ مسلح افواج کا یہ فرض ہے کہ وہ آئین کی لفظاً و معناً تابعداری کریں اور اسے سربلند رکھیں

مدعا علیہ کو قائد اعظم کے ان فرمودات کے یاد دلانے کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ جب وہ جولائی کے اوائل میں ائرفورس کے ہوائی اڈہ سے میرے ساتھ کار میں میری کراچی کی رہائش گاہ تک سفر کر رہے تھے تو انہوں نے خود مجھے کہا تھا کہ قائد اعظم نے کوئٹہ یا رسالپور میں مسلح فوج سے خطاب کرتے ہوئے یہ الفاظ کہے تھے مدعا علیہ سے واضح الفاظ میں کہہ دیا جائے کہ قائد اعظم پاکستان میں پارلیمانی جمہوریت کے خواہاں تھے اور انہوں نے صوبائی خود اختیاری کی ضمانت دی تھی اس قطعی وجہ کی بناء پر قرار داد لاہور کی بنیاد پارلیمانی جمہوریت اور صوبائی خود مختاری کے دوہرے ستون پر رکھی گئی تھی مدعا علیہ متعدد تقریروں اور پاکستان میں لوگوں سے گفت و شنید کے دوران اور اپنے حالیہ دوروں میں بعض غیر ملکی سربراہان مملکت کے ساتھ پاکستان کے داخلی مسائل پر مذاکرات کرتے ہوئے پارلیمانی نظام کے خلاف اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کر چکے ہیں۔

اگر قائد اعظم ہمارے آئیڈیل ہیں اگر قوم کو ان کے افکار کے سانچے میں ڈھالنا ہے تو اس صورت میں یہ ضروری ہے کہ ہم قومی تعمیر کے معاملے میں ان کے خیالات کی تکریم کا مظاہرہ کریں۔ مگر مملکت کے امور سے نمٹنے کے سلسلے میں اہم مسئلے پر مدعا علیہ کے خیالات قائد اعظم کے خیالات کے بالکل برعکس ہیں۔

(الف) قائد اعظم آئینی حکومت اور قانون کی فرمانروائی کی جنگ ہے امیروں اور غریبوں کی جنگ ہے یہاں اسلام خطرے میں ہے کا کوئی سوال ہی نہیں خطرہ اسلام کو لاحق نہیں ہے۔

سرمایہ دارانہ نظام اور اس کے کماشتوں کو خطرہ لاحق ہے مگر اب کوئی شعبدہ بازی کا کام نہیں دیگی ان کا یوم الحساب قریب ہے۔

مدعا علیہ نے سرمایہ داروں کا سہارا لینے کی کوشش کی ہے وہ کچھ آگے ہی چلے گئے ہیں اور انہوں نے قائد اعظم کے نام کا سہارا لینے کی کوشش کی ہے وہ جب بھی ٹیلی ویژن پر آتے ہیں ان کی تصویر سے پہلے قائد اعظم کی تصویر کی نمائش کی جاتی ہے یہ بات بڑی جذبات انگیز ہے مدعا علیہ متعدد موقعوں پر یہ بھی فرما چکے ہیں کہ ملک کے مسائل کا حل قائد اعظم کے نظریات کی پیروی میں مضمر ہے پاکستان کے خالق قائد اعظم محمد علی جناح کے بنیادی نظریات کیا تھے ؟ اقتصادیات کے میدان میں انہوں نے ملی جلی معیشت کی حمایت بہت پہلے ۱۹۴۳ء میں کی تھی انہوں نے ملی جلی معیشت کی حمایت بہت پہلے ۱۹۴۳ء میں کی تھی انہوں نے کہا تھا کہ سرکاری شعبے کو وہی اہمیت دی جائے گی جس کا وہ مستحق ہے انہوں نے زمینداروں اور سرمایہ داروں کی استحصال پسندوں کی مذمت کی تھی قائد اعظم نے بارہا سماجی اور اقتصادی انصاف کی ضرورت پر زور دیا تھا ۱۹۴۸ء میں چاٹگام میں چاٹگام ایوان تجارت سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا تھا کہ پاکستان کی اقتصادیات کی بنیاد اسلامی سوشلزم کے نظریہ پر ہوگی جی ہاں اسلامی سوشلزم قائد اعظم کے ہی الفاظ ہیں اور میں ان روایات کا علم بردار ہوں کاغذات اور فائلوں کو نذر آتش کرنے کی جب بات کی جارہی ہے تو یہاں یہ بتانا ضروری ہے کہ یحییٰ خان کی مارشل لاء حکومت کے وزیر اطلاعات نے حکومت کی تاریخی دستاویزات کے زبردست مظاہرے تھے ٹھیک اس کے برعکس مدعا علیہ نے ۷۳ء کے آئین کو بری طرح پامال کیا ہے اور پاکستان کا نظم و نسق چلانے کے لئے ایک فرد کی مطلق العنانی مسلط کر دی ہے۔

(ب) قائد اعظم جمہوریت اور عوامی نمائندوں کی قیادت پر یقین رکھتے تھے مدعا علیہ نے جمہوریت کو طاق پر رکھ دیا ہے اور عوامی قیادت کو جیل میں محبوس کر دیا ہے پاکستان کی تاریخ میں پہلی بار ملک کے منتخب وزیر اعظم کو انتہائی وحشیانہ اور غیر منصفانہ سلوک کا نشانہ بنایا گیا ہے مدعا علیہ کو جاننا چاہیئے کہ ان پالیسیوں کے نتائج پاکستان کے اتحاد اور سالمیت کے لئے انتہائی دور رس نتائج کے حامل ہونگے

(ج) قائد اعظمؒ انتخابات پر یقین رکھتے تھے مدعا علیہ نے نوے دنوں کے اندر غیر جانبدارانہ انتخابات کرانے کا مقدس وعدہ کرنے اور ۲۸ ستمبر کو اقوام متحدہ میں اس اعلان کی تصدیق کرنے کے بعد یکم اکتوبر ۱۹۷۷ء کو غیر متعین مدت کے لئے انتخابات بلا کسی سبب ملتوی کر دیئے۔

(د) قائد اعظم پارلیمانی طرز حکومت اور صوبائی حق خود اختیاری میں یقین کامل رکھتے تھے۔ اور ۷۳ء کے آئین میں یہ باتیں بخوبی موجود تھیں مگر مدعا علیہ نظام کے لئے زبردست جوش و خروش کا مظاہرہ کر رہے ہیں مدعا علیہ کو جاننا چاہیئے کہ وہ اہم سیاسی مسائل میں بابائے قوم کی فہم و فراست کے برخلاف عمل کر رہے ہیں اور ان مسائل کو دوبارہ چھیڑ رہے ہیں جو ۷۳ء کے آئین میں طے کر دیئے گئے ہیں اس سے پیدا شدہ تباہی کی ذمہ داری تنہا ان کی ذات پر عائد ہوگی۔

(ر) قائد اعظم کی خواہش تھی کہ اقتصادیات کی بنیاد اقتصادی انصاف اور اسلامی سوشلزم کے اصولوں پر رکھی جائے۔ مگر مدعا علیہ سرمایہ داری کی کشتی کے کپتان بن گئے ہیں

(ب) مدعا علیہ میں یا تو اتنی اخلاقی جرأت ہونی چاہیئے کہ وہ برملا اس بات کا اظہار کرے کہ آئین اور قانون کی فرمانروائی کے متعلق قائد اعظم کی رائے غلط تھی کہ یا پھر انتخابات پر ان کا یقین صحیح نہیں تھا کہ پارلیمانی نظام اور صوبائی حق خود اختیاری کے معاملے میں ان کے افکار غلط تھے کہ اقتصادی نظام کے متعلق وہ غلطی پر تھے کہ وہ اس بنیادی مسئلہ میں غلط فکر کے حامل تھے جن کا تعلق مملکت اور شہریوں سے ہے یا پھر وہ قائد اعظم کی مصنوعی تعریف کرنا ترک کر دے محض زبانی جمع خرچ زخم پر نمک چھڑکنے کے برابر ہے۔

انکم ٹیکس محکمہ کی تحقیقاتی برانچ وزارت خزانہ نے قائم کی تھی۔ وزارت خزانہ کے مطابق اس برانچ نے عادی نادہندوں سے بقایا جات ٹیکس وصول کرنے کے سلسلے میں زبردست کارنامہ انجام دیا ہے کسی بھی شخص کے لئے جن پر ٹیکس عائد کیا گیا ہے اور اگر انہیں وزارت خزانہ کے محکمے کے خلاف جائز شکایات ہیں تو عدالت کے دروازے کھلے ہیں۔

بڑے سرمایہ دار، سامراج اور اس کے آلہ کاروں کے درمیان پل کا کام دیتے ہیں

الزام :- مسٹر بھٹو نے عدلیہ کو مفلوج اور تباہ کرنے کے لئے بھرپور کوشش کی انہوں نے آئین یک طرفہ ترمیمات کیں تاکہ عدلیہ کے اختیارات کو کم کیا جا سکے عدلیہ سے متعلق تقریروں میں مسٹر بھٹو نے یک طرفہ رویہ اختیار کیا۔ اس سے عدلیہ کی صفوں میں انتشار پیدا ہوا۔

جواب :- ایک ایسا فرد جو آئینی ڈھانچہ کو انتہائی سنگین خطرے میں ڈال دیتا ہے اور جو انتہائی حقارت کے ساتھ فرسودہ قانونی نظام کہتا ہے اسے اخلاقی طور پر عدلیہ کی طرف سے بولنے کا حق نہیں رہتا ایک آزاد عدلیہ صرف آئین کے سائے میں کام کر سکتی ہے کسی مجبورے ڈیوک آف ولنگٹن کی بندوق کے سائے میں نہیں آزاد عدلیہ عوام کی منتخب کردہ انتظامیہ اور ان کی منتخب کردہ انتظامیہ اور ان کی منتخب کردہ مجلس قانون ساز کے ساتھ چلتی ہے اگر عوامی انتظامیہ جیل میں ہے اسلام آباد لاہور۔ پشاور۔ کوئٹہ۔ اور کراچی کی اسمبلیاں اتنی ہی خاموش اور سنسان ہیں جیسا کہ ایک قبرستان کیا کسی ایسے باغ میں پھول کھل سکتے ہیں جسے صحرا میں تبدیل کر دیا گیا ہو ۱۹۷۳ء کے آئین کا مصنف میں ہوں مملکت کے تمام اداروں کو ۱۹۷۳ء کے آئین سے جواز اور قوت حاصل ہے یہ ناقابل تردید حقیقت ہے تو پھر میں کس طرح پاکستان میں عدلیہ کے اداروں کو بدنام اور تباہ کر سکتا تھا یہ بڑی کلاسیکل مثال ہے کہ حملہ آور اس پر الزام عائد کرے جو حملے کا شکار بنا ہو یہ بیرک کی منطق ہے کہ مدعا علیہ کی بہترین صورت جارحانہ پہل کرنا ہے۔

مدعا علیہ نے اور صرف مدعا علیہ نے ۵ جولائی ۱۹۷۷ء کو ناجائز اقدام کر کے عدلیہ سمیت آئینی ڈھانچے کی ہر نشانی کو مٹا دیا قانون کی بحالی اور پاکستان کو بچانے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ ۵ جولائی ۱۹۷۷ء کے عمل کو یکسر منسوخ کر دیا جائے اس کارروائی کو جائز ثابت کرنے کی ہر کوشش ہمیں دوسا کی طرف نہیں بلکہ تباہی کی طرف لے جائے گی میری حکومت نے ۱۹۷۳ء کے آئین میں ایسی کوئی ترمیم نہیں کی جسے جبری یا یک طرفہ کہا جائے جب راولپنڈی میں منعقدہ رہنماؤں کی کانفرنس میں آئین کے اصول طے کئے جا رہے تھے تو قومی اسمبلی میں تمام جماعتوں کے تمام رہنماؤں کا دیگر بنیادی اصولوں کے علاوہ اس بات پر بھی اتفاق ہو گیا تھا کہ طے شدہ ضابطہ کے تحت آئین میں ترمیم کی جا سکتی ہے ضابطہ یہ ہے کہ قومی اسمبلی میں ترمیم کے حق میں دو تہائی کی حمایت ہونی چاہیئے اور پھر سینیٹ کثرت رائے سے اس کی حمایت کرے ترمیم سے متعلق یہ ضابطے ۷۳ء کے آئین میں آرٹیکل کی شکل میں شامل کئے گئے جسے قومی اسمبلی میں متفقہ طور پر اس طرح منظور کیا گیا جس طرح باقی آئین منظور کیا گیا تھا۔ ترمیم سے متعلق یہ آرٹیکل آئین کا لازمی جزو بن گیا اور اسے بھی وہی قانونی منظوری حاصل ہے جو آئین کی دیگر دفعات کو حاصل ہے اگر یہ قانونی پوزیشن نہ ہوتی تو آئین مفلوج ہو کر رہ جاتا اگر آئین پر لفظاً و معناً عمل کیا جا رہا ہے تو یہ کہنا غلط ہو گا کہ یہ اقدام یک طرفہ تھا ترمیم سے متعلق آرٹیکل کے تمام ضابطوں پر پوری طرح عمل کرتے ہوئے آئین میں ترمیمیں کی گئیں تمام ترمیموں کو قومی اسمبلی کی دو تہائی اکثریت اور سینیٹ میں ضروری اکثریت کی حمایت حاصل تھی کسی بھی نکتہ نظر اور نہ ہی کسی بھونڈی منطق سے یہ دلیل دی جا سکتی ہے کہ ترمیمیں یک طرفہ تھیں نہ تو راولپنڈی میں رہنماؤں کی کانفرنس اور نہ آئین میں یہ کہا گیا ہے کہ ترمیمیں اتفاق رائے سے پارلیمنٹ کی تمام جماعتوں کی حمایت سے کی جانی چاہئیں اگر ترمیم سے متعلق آئین میں کوئی ایسا ضابطہ ہوتا تو آئین میں ترمیم عملاً مشکل ہو جاتی آئین کو ایک زندہ دستاویز ہونا چاہیئے اگر یہ ایک مردہ تحریر بن جاتی ہے تو پھر یہ ایک مہم جو کے ہاتھ میں ردی کے ایک پرزہ سے زیادہ نہیں ہوتی حتیٰ کہ ایک زندہ اور فعال آئین کو اگر کوئی مہم جو لعنت کا موضوع بنا دے یا یہ آئین وقت گزرنے کے ساتھ مناسب ترمیم عمل کے نہ ہونے کی وجہ سے مشترک ہو جائے تو پھر یہ آئین کا خود اپنے لئے اور جمہوریت کی بقا کے لئے مہلک ہو جاتا ہے۔ مجھے اس بات میں شبہ ہے کہ دنیا میں ایک بھی آئین ایسا موجود ہے جس میں ترمیم کے لئے کوئی ضابطہ نہ ہو۔ برطانوی پارلیمنٹ کو آئینی ضابطہ بنانے یا اس میں ترمیم کرنے کا اکثریت محض سے حق حاصل ہے خواہ یہ اکثریت ایک ہی رکن کی کیوں نہ ہو اگر ۷۳ء کے آئین پر مذکورہ تاکہ آئین میں ترمیم صرف متفقہ ووٹ یا تمام جماعتوں کی رضامندی سے کی جا سکتی ہے خواہ کسی جماعت کے ارکان کی تعداد یا تین ہی کیوں نہ ہو تب تو یہ بات کہی جا سکتی تھی کہ آئین میں یکطرفہ ترمیم کی گئی مگر صورت حال یہ نہ تھی اس لئے آئین میں ترمیموں کے متعلق یہ کہنا کہ یہ یکطرفہ طور پر کی گئی ہے حد درجہ ذہنی بد دیانتی ہے

میری حکومت نے آئینی طور پر آئین میں جتنی بھی ترمیمیں کیں وہ سب کی سب عدلیہ سے متعلق نہیں بلکہ بعض کا عدلیہ سے کوئی تعلق بھی نہیں ممکن ہے کہ عدلیہ سے متعلق بعض ترمیمی ضابطے کچھ تنقیدوں کا سبب بنے ہوں چونکہ مستند تنقید جمہوریت کا جزو ہے اس لئے میں بعض تنقید کو اسی طرح نیک نیتی پر مبنی سمجھتا ہوں جس طرح میری حکومت نے ترمیمیں کیں چونکہ اس نکتہ پر کافی پروپیگنڈہ کیا جا چکا ہے اس لئے میں ایک بار پھر یہ بات دہرانا چاہوں گا کہ عدلیہ سے متعلق جو ترمیمیں کی گئیں وہ آئین کے ضابطوں کے مطابق اور نیک نیتی پر مبنی تھیں مزید برآں ان ترمیموں کا تعلق کسی مرکزی نکتہ سے نہ تھا جو عدلیہ کے فیصلے کے داخلی یا معروضی اصول سے متعلق تھے ہم نے ۱۹۶۲ء کے آئین کے معروضی اصول کو ۷۳ء کے آئین میں برقرار رکھا اور اس میں کوئی ترمیم نہیں کی لیبورسیج بہ مقابلہ اینڈرسن کے اصول پر انحصار کر کے میری حکومت نے عدلیہ اور ججوں کے لئے اپنی نیک نیتی اور تکریم کا مظاہرہ کر دیا ہے۔

تحریری بیان ہتک آمیز ذاتی حملوں سے پُر ہے اس پیراگراف میں میرے اور عزت مآب ججوں کے درمیان بدگمانی پیدا کرنے کی احمقانہ کوشش کی گئی ہے وزیر خارجہ اور وزیر اعظم کی حیثیت سے پوری مدت کے دوران میں نے عدلیہ اور ججوں کے لئے مکمل احترام کا مظاہرہ کیا ہے میں بلا خوف تردید کہہ سکتا ہوں کہ میں نے ایک مجسٹریٹ سے لے کر سپریم کورٹ کے جج تک عدلیہ کے کسی افسر سے بھی کسی ایسے عدالتی معاملے میں رجوع نہیں کیا جو ان کے زیر سماعت تھے ادنیٰ سے لے کر اعلیٰ تک ہر عدالتی افسر کے لئے میں نے اخلاق اور لحاظ کا مظاہرہ کیا ہے عدالتی تقرریوں کے معاملے میں بھی میں نے یک طرفہ پالیسی پر عمل نہیں کیا اس لئے مدعا علیہ کے منہ سے اتہام زیب نہیں دیتا مدعا علیہ کے رویے کے برعکس میں نے عدلیہ کے لئے بحران نہیں پیدا کیا اور نہ ہی عدالت عالیہ اور عدالت عظمیٰ کے ججوں کو دھمکی دی کہ وہ ۲۴ گھنٹوں کے اندر ایسا حلف اٹھائیں جس کی بنیاد آئین پر نہ تھی ورنہ سبکدوشی کے لئے تیار رہیں۔

مجھے بڑی مسرت ہے کہ عدالتی اداروں کے وقار کا لحاظ رکھتے ہوئے اپنے تحریری بیان میں عدلیہ کے متعلق میرے نفرت کا مزید ذکر نہ کر کے بالآخر مدعا علیہ نے کچھ شعور کا مظاہرہ کیا ہے یہ بڑی حوصلہ افزا بات ہے کہ مدعا علیہ اس بات کے مدعی ہیں کہ انہیں بعض اداروں کے وقار کا بڑا پاس ہے مگر یہ ان کی موقع پرستی کا ایک اور مظاہرہ ہے

ان کے ایقان کا نہیں جمہوریت اور عدلیہ کے متعلق مدعا علیہ کے خیالات کا مجھے بخوبی علم ہے مگر شائستگی کے لحاظ سے اس کا ذکر کرنے سے احتراز کروں گا کہ جمہوریت اور عدلیہ کے متعلق مدعا علیہ کے خیالات کا مجھے بخوبی علم ہے مگر شائستگی کے لحاظ سے اس کا ذکر کرنے سے احتراز کروں گا کہ جمہوریت اور عدلیہ کے متعلق تاہم اگر وہ اس سلسلے میں میرے خلاف اسی نوعیت کے چند جھوٹے اور من گھڑت الزامات عائد کرنے جو ان کے تحریری بیان کا طرہ امتیاز ہے تو مجھے بھی اس بات پر مجبور ہونا پڑتا کہ صحیح پوزیشن کی مدافعت کروں اور مثالوں کے ساتھ بتانا پڑا کہ عدالتی اداروں کے متعلق کس کے خیالات زیادہ بلند ہیں مدعا علیہ نے نام نہاد ریکارڈ پر بہت زیادہ انحصار کر لیا ہے یہی ریکارڈ کسی باصلاحیت اور ذہین ہاتھوں میں دے دیں تو اس کا نتیجہ وہ اپنی ضرورتوں کے مطابق برآمد کرے گا یہ کھلا راز ہے کہ مدعا علیہ نے افسروں کی کئی ٹیالین کو شہری اور فوجی دونوں۔ اس بات کے لئے متعین کر دیا ہے کہ وہ ریکارڈوں کو تہس نہس کریں گزشتہ تین ماہ سے بتمیین کا یہ لشکر ریکارڈوں کے ساتھ دست درازیوں کے علاوہ اور کچھ نہیں کر رہا ہے رات اور دن وہ تاریخی اہمیت کے حامل مواد کو برباد کرنے میں مشغول ہیں محض اس لئے کہ یہ میری قیادت کے لئے تابندگی اور میری حکومت کے لئے عزت افزائی کا باعث ہیں سیکرٹریٹ کی تمام عمارتوں کے اندر سخت افراتفری مچی ہوئی ہے مدعا علیہ کے مارشل لاء کے چھتر چھاؤں میں ان افسروں کے ساتھ بدسلوکی کی جارہی ہے جو مجھ سے تعلق رکھتے تھے اور انہیں اس بات کے لئے اذیتیں دی جارہی ہیں کہ وہ میرے خلاف اقراری بیان دیں سابق افسروں کو اس لئے بھی اذیت بھی پہنچائی جارہی ہے کہ وہ میرے خلاف سرکاری گواہ بن جائیں بعض افسران تین ماہ سے زیر حراست ہیں اس لئے نہیں کہ وہ اتفاق چھٹی پر کسی پہاڑی مقام پر آرام کر رہے ہیں بلکہ ان سے ہر نوعیت کے جھوٹے اور رنگ آمیز بیانات حاصل کئے جائیں تاکہ میرے خلاف مقدموں کی ایک طویل فہرست تیار کی جا سکے۔ پاکستان کے ایک ضلع کے ڈپٹی کمشنر (الجو میں کمشنر) گزشتہ تین ماہ سے مدعا علیہ اور ان کے حواریوں کی حراست میں ہیں اور محض تفنن طبع کے لئے نہیں وہ لاڑکانہ کے کمشنر) یہ ہے وہ طریق کار جسے مدعا علیہ نے مواد جمع کرنے کے لئے اختیار کیا ہے اور جس کا اس تحریری بیان میں انتہائی گھمنڈ کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔

پورے ملک میں میری جماعت کے بے شمار کارکنوں کو گرفتار کر لیا گیا ہے فوجی عدالتوں میں ان پر سرسری مقدمے چلائے گئے اور کوڑوں کی سزائیں دی گئیں چاروں صوبوں میں قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے امیدواروں کو گرفتار

اور انہیں پریشان کیا جارہا ہے ہر صوبے میں سابق صوبائی اور وفاقی وزراء جیلوں میں پڑے ہوئے ہیں میری جماعت کی اعلیٰ قیادت مارشل لاء احکامات کے تحت جیل کی سلاخوں کے پیچھے ہے میری بیوی کو قانونی سیاسی تقاریر کرنے پر دھمکیاں دی گئیں ۲۹ ستمبر ۱۹۷۷ کو ساہیوال میں میری نوجوان بیٹی کو ایک مکان میں نظر بند رکھنے کے لئے احکامات

****

قائداعظم نے کہا تھا کہ
آئین کی تابعداری
مسلح افواج کا فرض ہے

جاری کئے گئے مدعا علیہ مجھے اور میری جماعت کو خوفزدہ کرنے اور کچلنے کے لئے اور کیا کچھ کرنا چاہتا ہے؟ ہم میں سے کوئی بھی مارشل لاء کے چنگل میں آنے سے نہ بچ سکا۔

ایک کے بعد ایک مقدمے دائر کئے جارہے ہیں ہمیں ہر روز بے شمار فارموں کی خانہ پری کرنی ہوتی ہے مثال کے طور پر یہ فاضل عدالت مجھ سے یہ توقع کرتی ہے کہ میں تیس صفحات پر مشتمل تحریری بیان اور بے شمار ضمیمہ جات کا جواب جیل میں بیٹھ کر اس ماہ کی ۱۸ تاریخ تک داخل کروں۔ یہ تحریری بیان مجھے ۹ اکتوبر کی شام کو ملا جیل میں مجھے اس بیان کا مطالعہ کرنا ہے اور ساتھ ہی مجھے لاہور ہائی کورٹ میں ہر روز ایسے مقدمات کی سماعت کے دوران حاضر ہے جس میں موت کی سزا بھی ممکن ہے ۱۳ اکتوبر کی صبح ۹½ بجے مجھے ایک اور خفیہ یادداشت نمبر ۴ x/۲/۷۷ x مورخہ ۱۲ اکتوبر ۷۷ء دی گئی جو اے ایس ایم ایل اے لاڑکانہ کی طرف سے تھی جس میں اسی بیان کے سلسلے میں مجھے مزید تفصیل فراہم کرنے کے لئے کہا گیا ہے جو ۱۶ اکتوبر ۷۷ء کو ایم ایل ۱۲ کے تحت اپنی املاک کے سلسلے میں داخل کیا تھا آخر انسانی طور پر یہ کس طرح ممکن ہے کہ بیک وقت اتنے اہم امور پر محض چند روز کے اندر جیل کی چار دیواری میں بیٹھ کر پوری توجہ دی جا سکے کیا مجھ سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ لاہور ہائی کورٹ میں مقدموں کی سماعتوں میں حاضری دوں جس میں موت کی سزا شامل ہے یا مجھ سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ تحریری بیان اور ضمیموں کا مکمل جواب دوں جو اس فاضل عدالت میں ۱۸ اکتوبر کو پیش کیا جانا ہے کیا مجھ سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ اے ایس ایم ایل اے لاڑکانہ کے خط کا ۱۶ اکتوبر ۷۷ء تک تفصیلی جواب دوں جیل میں میرے پاس کتابیں یا فائلیں یا کاغذات نہیں ہیں کہ میں ان روزافزوں مطالبات کا صحیح جواب دے سکوں اے ایس ایم۔ ایل اے لاڑکانہ مجھ سے جن احکامات کی فراہمی کا خواہاں ہیں یا تحریری بیان کے ساتھ جو بے شمار ضمیمے ہیں ان کے متعلق میں اپنے ذاتی اسٹاف سے صلاح و مشورہ کرنے کے لئے ملاقات نہیں کر سکتا چار روز سے مجھے بخار آرہا ہے میرے ڈاکٹر نے ۱۳ اکتوبر کو اور اس سے قبل ایک موقع پر میرا معائنہ کیا تھا۔ میں کوئی چلتا پھرتا انسائیکلوپیڈیا نہیں کہ تمام اطلاعات اپنے ہاتھوں میں لئے پھروں خاص طور پر جبکہ مجھ سے گزشتہ ساڑھے پانچ سال پر محیط تقریباً میرے ہر فیصلے اور ہر اقدام کے متعلق مجھ سے تفصیلی اطلاع طلب کی جارہی ہے ان حالات میں مدعا علیہ نے مجھ پر ترس کھاتے ہوئے اپنے تحریری بیان میں عدلیہ کے متعلق میرے نظریات کو سرے سے حذف کر دیا ہے مگر انہوں نے ترحم کا مظاہرہ نہیں کیا ہے انہوں نے صرف خود کو خجالت سے بچانے کی کوشش کی ہے کیونکہ اگر وہ اس موضوع پر خامہ فرسائی کی کوشش کرتے تو میں ان کو عدلیہ کے متعلق انہی کے نظریات کے تعلق سے منہ توڑ جواب دیتا۔ اس معاملے میں زیادہ گہرائی میں جانے سے انہیں کسی بلند خیال نے نہیں روکا ہے۔

(نوٹ: مسٹر بھٹو نے ۱۷ اکتوبر ۱۹۷۷ء کو سپریم کورٹ میں جو حلف نامہ دیا تھا۔ اس سے مذکورہ اقتباسات لئے گئے ہیں)

مڈل ایسٹ ریسرچ اینڈ انفارمیشن پروجیکٹ کے شکریئے کے ساتھ

آخری قسط

تیل کی دولت کے ثمرات دس فیصد آبادی تک محدود ہیں

۱۰ دن میں ۳ ارب ڈالر ایران سے بیرون ملک منتقل کر دیئے گئے

یہ معاشی ماضی سے ورثے میں ملے ہیں اور ان کے حل میں محصولات اور درآمدات میں اضافے کی بہ نسبت زیادہ وقت لگے گا لیکن دوسرے اور مسائل بھی ہیں جو اس انداز سے ہی پیدا ہوں گے جس انداز میں تیل سے حاصل ہونے والی رقم صرف کی جا رہی ہے حکومت کے طبقاتی کردار کا اظہار افراط زر جیسے مسائل سے نمٹنے میں اس کی ناکامی سے ہوتا ہے۔ ۱۹۷۰ء کی ابتداء اور اس کے بعد کے سالوں میں افراط زر کی اوسط شرح کے بارے میں سرکاری اعداد و شمار غلط ہیں۔ تیل کی قیمت میں اضافے کے بعد غذائی اشیاء کی قیمتوں میں سالانہ اضافہ ۳۰ فی صد تک ہوا ہے اور ۷۵-۱۹۷۴ء تہران میں مکان کے کرایوں میں ۲۰۰ فیصد اضافہ ہوا۔ ۷۶-۱۹۷۵ء میں اسی میں مزید سو فی صد اضافہ ہوا۔ دوسری بات غیر ضروری اشیاء کی درآمد ہے۔ ۱۹۷۲ء اور ۱۹۷۵ء میں سرمایہ کاری سے متعلق اشیاء ایران کی کل درآمدات کا صرف ۲۹ فیصد تھیں۔ اسی طرح غذائی اجناس کی طلب میں بے پناہ اضافے اور درآمد کو یقیناً سرکاری کنٹرول اور راشن بندی کے ذریعے محدود کیا جا سکتا تھا اس کی بجائے غذا کے لئے زر تلافی کے طور پر سالانہ ایک ارب ۵۰ کروڑ ڈالر خرچ کیے گئے۔

حکومت کی پالیسیوں کی قیمت کا ایک غیر مرئی سمت نمایاں سایہ" ٹیکس کاری کا میدان ہے۔ چونکہ وہ تیل پر انحصار کر سکتی ہے اس لئے ۱۹۶۹ء میں براہ راست ٹیکسوں سے آمدنی کل محصولات کا صرف ۲۹ فیصد تھی اور تیل کی قیمتوں میں اضافے کے بعد اس میں کافی حد تک کمی ہوتی ہے۔ ۱۹۶۹ء میں مشترکہ ٹیکس (کارپوریٹ ٹیکس) سرکاری محصولات کا صرف ۵ فیصد تھے ۱۹۷۵ء میں وزیر مالیات نے انکشاف کیا کہ ایران کی ۲۰ ہزار رجسٹرڈ شدہ کمپنیوں میں سے صرف ۹،۳۶۲ کمپنیاں ٹیکس کے کارڈ بھیجتی تھیں اور ان میں سے بھی ۴۳ فیصد نے نقصان ظاہر کیا۔ نتیجہ یہ کہ صرف ایک چوتھائی ایرانی کمپنیوں نے کسی قسم کا ٹیکس ادا کیا اور کل قومی آمدنی میں ٹیکسوں کا حصہ صرف ۵٫۳ فی صد تھا جبکہ حکومت کا دعویٰ تھا کہ ۲۰ سے ۲۵ فیصد تک وصول کرنا چاہتی ہے۔ ایران میں ٹیکس کی چوری سرمایہ دارانہ ارتقاء کے نسبتاً ابتدائی مراحل اور پسماندہ ریاستی مشینری کا ایک اثر ہے لیکن جس طرح زراعت کے شعبے میں غفلت برتی جاتی ہے اسی طرح اس شعبے میں غفلت برتنا اس حکومت کے لئے اس لئے ممکن ہے کہ تیل کی آمدنی موجود ہے اور اس میں اضافہ اس لئے ہو رہا ہے کہ حکومت اپنی طبقاتی بنیاد کو ناراض کرنے میں سیاسی ہچکچاہٹ کا شکار ہے۔ اسی طرح کی ہچکچاہٹ غیر ملکی زر مبادلہ کے کاروبار میں بھی جاری و ساری ہے۔ ایران کے دولتمند افراد کو خوشحالی میں جو حصہ ملتا ہے اس سے وہ اس قابل ہیں کہ آزادی کے ساتھ غیر ممالک کے دورے کر سکیں۔ ایرانی سال نو (نوروز — ۲۱ مارچ) کے قریب کئی ہزار افراد یورپ کا سفر کرتے ہیں۔ ۱۹۷۶ء کے آخر تک لندن یا اس کے نواح میں ۲۰ ہزار ایرانیوں نے مکانات خریدے تھے۔ اس وقت تک سرمائے کی برآمد پر کوئی پابندی نہیں تھی اور کوئی بھی ایرانی کسی بھی بنک میں جا کر ۲ لاکھ ۵۰ ہزار ڈالر ٹریولر چیک کی صورت میں حاصل کر سکتا تھا۔ اسی طریقہ کار کی بناء پر ۱۹۷۵ء میں ۲ ارب ڈالر اور ۱۹۷۶ء میں سکے کی قیمت میں کمی کے خوف سے صرف ۱۰ دن میں ۳ ارب ڈالر کا اخراج ممکن ہوا۔

۷۵-۱۹۷۴ء میں ایران کی تیل کے علاوہ برآمدات

روایتی اور زرعی اشیاء	فی صد
قالین	۲۰٫۵
کپاس	۱۴٫۷
تازہ اور خشک پھل	۱۲٫۳
کھالیں اور چمڑہ	۴٫۸
معدنیات اور خام دھاتیں	۵٫۶
دیگر	۱۴٫۱
کل	۷۲٫۰
نئی صنعتی پیداوار	**فی صد**
صاف کرنے والے کیمیکلز اور صابن	۲٫۱
گلیسرین اور کیمیکلز	۳٫۸
جوتے	۱٫۲
لباس، بنی ہوئی اشیاء اور ٹیکسٹائلز	۷٫۶
روڈ موٹر وہیکلز	۲٫۶
دیگر	۹٫۷
کل	۲۸٫۰

ماخذ: ایران کی بیرونی تجارت کے اعداد و شمار

۷۴-۱۹۵۶ء کے دوران ایران میں نجی غیر ملکی سرمایہ کاری

ملک	اداروں کی تعداد	سرمایہ - ریال میں
امریکہ	۴۳	۵ ارب ۸۱ کروڑ ۱۰ لاکھ

مغربی جرمنی	۲۳	ایک ارب ۶۶ کروڑ ۹۰ لاکھ
جاپان	۲۳	۲ ارب ۳، کروڑ ۷۰ لاکھ
برطانیہ	۲۰	۳۴ کروڑ ۷۰ لاکھ
سوئٹزرلینڈ	۱۳	ایک ارب ۳۶ کروڑ -
فرانس	۱۲	۵۴ کروڑ ۷۰ لاکھ
مشترکہ کمپنیاں	۱۷	ایک ارب ۴۳ کروڑ ۵۰ لاکھ
دیگر ممالک ٭	۳۲	ایک ارب ۴۲ کروڑ ۲۰ لاکھ
کل	۱۸۳	۱۵ ارب ۳۲ کروڑ ۷۰ لاکھ

٭ اٹلی اور ڈنمارک، ۵ ہر ایک ۔ سویڈن اور نیدرلینڈ، ۴ ہر ایک ۔ بلجیم اور لگزمبرگ، ۳ ہر ایک ۔ اسرائیل ۲ ۔ آسٹریلیا، آسٹریا، گریس، انڈیا، کینیا اور پانامہ، ایک ایک ۔

ماخذ: ایران، ماضی، حال، مستقبل ۔ نیویارک ۱۹۷۶ء صفحہ ۳۷۹ - ۳۸۰

اس پالیسی کا سب سے زیادہ نقصان دہ اثر آمدنی کی تقسیم کے میدان پر پڑتا ہے۔ ترقی پذیر معیشتوں کا یہ روایتی استدلال ہے کہ ابتداء میں آمدنیوں میں عدم مساوات میں اضافہ کسی معیشت کی طویل المیعاد ترقی کے لئے مفید ہے یا ہو سکتی ہے اور یہ کہ فی کس آمدنی کی شرح جب ۵۰۰ ڈالر سے بڑھ جائے تو یہ عدم مساوات گھٹنا شروع ہو جائے گی۔ اگر اس دلیل کو درست بھی مان لیا جائے تب بھی اس کا اطلاق ان معیشتوں پر نہیں ہوتا جو محصولات کی بنیاد پر قائم ہیں کیونکہ یہاں دولت پیدا کرنے والے وہ عناصر بروئے کار نہیں ہوتے جو دوسری معیشتوں میں ہوتے ہیں اس کے برعکس چونکہ آمدنیوں کی تقسیم سے ریاست کے کردار کا اظہار ہوتا ہے۔ عدم مساوات شدید سے شدید ہوتی ہے جس سے امیر اور غریب کے درمیان فرق وسیع سے وسیع تر ہوتا جاتا ہے اور ۵۰۰ ڈالر کی حد کو پیچھے چھوڑ جاتا ہے۔ مزید کہ چند اونچی آمدنی والے لوگوں کے لئے مبینہ منفعت بچت اور سرمایہ کاری واقع نہیں ہوتی کیونکہ یہ فرائض ریاست ادا کرتی ہے اور نچلی آمدنیاں بنیادی طور پر کھانے پینے اور دوسری ضروریات پر صرف ہو جاتی ہیں ۱۹۶۹ء کی آمدنیوں کے ایک جائزے سے ظاہر ہوا کہ اوپری طبقے کی ۱۰ فیصد آبادی اشیائے صرف کا ۳۲،۵ استعمال کرتی ہے اس سے نچلے درجے کی ۱۰ فیصد آبادی ۵،۵ فیصد استعمال کرتی ہے یعنی اوپری طبقے کی ۲۰ فیصد آبادی اشیائے صرف کا تقریباً آدھا حصہ استعمال کر جاتی ہے تیل کی قیمتوں میں اضافے کے نتیجے میں یہ فرق اور بڑھ گیا ہوگا گو کہ بہت ہی غریب لوگ کسی حد تک امیر ہو گئے ہوں گے مگر امیر یقیناً بہت زیادہ امیر ہو گئے ہوں گے۔ اشیائے صرف کے سلسلے میں ہمارے پاس بعد کے سالوں کے تقابلی اعداد و شمار موجود نہیں ہیں لیکن ۱۹۷۶ء کی ایک رپورٹ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اوپری طبقے کی ۱۰ فیصدی آبادی کے حصے میں کل آمدنی کا ۴۰ فیصد آتا ہے اس لئے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ۱۰ فیصد اوپری آبادی ۔ شاید ۳۵ لاکھ افراد یا ۱۰ لاکھ سے بھی کم خاندان ۔ تیل کی دولت کے ثمرات سے لطف اٹھا رہا ہے۔

آمدنیوں کی تقسیم کا دوسرا پہلو دیہات اور شہر کا فرق ہے۔ اب بھی ایران کی ۵۳ فیصد سے زیادہ آبادی (۱۹۷۶ء کی مردم شماری) دیہاتوں میں رہتی ہے اور شہری اور دیہی آمدنیوں میں تفاوت بڑھ رہا ہے۔ یہ ۱۹۵۹ء میں ۱:۲،۳ سے گھٹ کر ۱۹۶۵ء میں ۱:۱،۹ رہ گیا (زرعی اصلاحات کے فوائد کے زیر اثر) لیکن ۱۹۷۲ء میں بڑھ کر ۱:۳،۲۱ ہو گیا اور مستقبل میں کم ہونے سے پہلے ۱۹۸۰ء تک یہ فرق بڑھ کر ۸۰،۰ بلکہ ۱۲۰،۰ فیصد بھی ہو سکتا ہے۔ آمدنیوں کی تقسیم کے اس طرح کے ڈھانچے کی حوصلہ افزائی تیل کی آمدنی کے معیشت میں داخل ہونے کے انداز سے ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ ٹیکسوں کے مؤثر نظام کی غیر موجودگی اور حکومت کی طرف سے خوشحال بورژوازی کو ترقی دینے سے بھی اس ڈھانچے کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے جہاں یہ باتیں حکومت کے لئے سیاسی طور پر ضروری ہیں۔ وہیں، خالص اقتصادی اعتبار سے، طویل مدت کے نقطۂ نظر سے بورژوازی بہت بڑے خطرات مول لے رہی ہے کیونکہ اس طرح ملکی منڈی کے پھیلاؤ کو روکا جا رہا ہے۔ سیاسی طور پر یہ پالیسی شدید نوعیت کے مسائل پیدا کرے گی کیونکہ اگر عوام الناس کی آمدنی میں اضافہ ہو بھی جائے تب بھی۔ امیروں اور غریبوں کی آمدنیوں میں فرق اور بڑھ جائیگا۔

تیل کی برآمد کے برسوں کے دوران اور اس کے بعد کے برسوں میں ایران کی ترقی کے امکانات کا انحصار اس بات پر ہوگا کہ حکومت ۱۹۷۰ء اور ۱۹۸۰ء کے درمیانی عرصے میں معیشت میں جو رجحانات جاری رہے ہیں انہیں تبدیل کرتی ہے یا نہیں۔

شاہ کی اقتصادی پالیسیوں کے سبب ایران قرضے کی بھیک مانگنے والا ملک بن جا"

اور اگر کرتی ہے تو کس حد تک کرے گی۔ تیل کی قیمت میں اضافے کے فوری بعد حکومت نے اپنے منصوبے کے لئے مختص رقم میں ۹۰ فیصد اضافہ کر کے اسے ۶۹ ارب ڈالر تک پہنچا دیا اور ایک رجائیت پسندانہ ڈھانچے کا اعلان کیا۔ جس کے مطابق ایران اگلے ۲۰ سال کے عرصے میں ایک بڑی صنعتی طاقت بن جائے گا اور ترقی یافتہ سرمایہ دار صنعتی ممالک کا ہم پلہ ہو جائے گا۔ ۲ سال تک ایران کو فاضل زر مبادلہ حاصل ہوتا رہا اور اس نے غیر ممالک میں سرمایہ کاری شروع کی لیکن ۲ سال بعد صورتحال بالکل مختلف تھی اور معیشت کے تقاضے اور ایرانی تیل کی عالمی طلب میں کمی اتنی زیادہ تھی کہ ایران اس قابل نہیں رہا کہ وہ اپنے اعلان کردہ بعض ترقیاتی منصوبوں کو جاری رکھ سکے غیر ملکی سرمایہ کار کی حیثیت سے ایران کا کردار عارضی نوعیت کا تھا اور اس کو ایسے امکانات کا سامنا کرنا پڑا کہ وہ ایک بار پھر بین الاقوامی منڈی میں قرض لینے والا ملک بن جائے۔ ہڈسن انسٹی ٹیوٹ کی ۱۹۷۵ء کی ایک رپورٹ میں نشاندہی کی گئی کہ بظاہر ناممکن نظر آنے والے ترقیاتی حدفوں کو ۱۹۸۵ء تک حاصل کر بھی لے تب بھی ایران کی معیشت ایسی ہی ہوگی جو انڈیا سے بہت زیادہ ترقی یافتہ نہ ہوگی اور میکسیکو کے برابر یا اس سے کچھ کم ہوگی اگر یہ حدف حاصل نہ کئے جا سکے تو "ایران اس صدی کی آخری دہائی میں خود کو ایک نیم تعمیر شدہ صنعتی محل سے زیادہ ثابت نہیں کر سکے گا جو اقتدار اور بین الاقوامی اثرات کے جال میں پھنسا ہو اور جس میں کوئی جان نہ ہو"

زراعت

ایران کو جن مسائل کا سامنا ہے کسی بھی اعتبار سے صرف اسی ملک سے مخصوص نہیں ہیں۔ بحیثیت مجموعی تیسری دنیا میں کئی ممالک پائے جاتے ہیں اور ایران کا معاملہ یہ مثال پیش کرتا ہے کہ ایک شدید ترین مسئلے یعنی سرمائے کی شدید قلت پر قابو پانے کے بعد بھی دوسرے مسائل کس طرح باقی رہتے ہیں۔

کوئی ایسا ملک جو اپنی آبادی کی اکثریت اور دولت مندوں کی غذائی ضرورت کی تکمیل اور اپنی صنعت کو خام مال کی حسب ضرورت فراہمی کے لئے اپنی زراعت کو ترقی دینے میں ناکام رہے اپنی اقتصادی ترقی کو برقرار نہیں رکھ سکتا۔ اس نکتۂ نظر سے ایرانی زرعی اصلاحات تباہ کن رہی ہیں اور اس میں بہتری کا کوئی امکان نظر نہیں آتا۔

ایران کبھی بھی بنیادی زرعی پیداوار کا برآمد کنندہ نہیں رہا ہے تیل جہاں بنیادی اشیاء کی درآمد کے لئے سرمایہ فراہم کرتا رہا ہے وہیں غذائی اجناس کی درآمد کا بھی وسیلہ رہا ہے جس کی مالیت سالانہ ۲ ارب ڈالر اور ۳ ارب ڈالر کے درمیان رہی ہے۔ ۱۹۶۰ء سے فی کس زرعی پیداوار میں اضافہ تقریباً ایک فیصد رہا ہے یعنی زرعی پیداوار آبادی میں اضافے سے کچھ ہی زیادہ رہی ہے اور آمدنیوں میں اضافے کے نتیجے میں بڑھتی ہوئی ضروریات سے بہت پیچھے رہا ہے تمام ترقی پذیر ممالک میں وہ لوگ جو زیادہ کماتے ہیں۔ زیادہ اور بہتر کھانا بھی چاہتے ہیں اور ایران اس سے مبرا نہیں ہے۔ ۱۹۸۰ء کے قریبی برسوں میں غذائی اجناس کی طلب میں سالانہ ۱۴ فیصد کی شرح سے طلب میں اضافہ ہو رہا ہے اور یہ صورت حال ۱۹۸۰ء کے بعد بھی جاری رہے گی۔ سرخ گوشت (چوپایوں کا گوشت) جس کی طلب آمدنیوں میں اضافے کے ساتھ بڑھتی رہتی ہے، کی طلب میں اضافہ خصوصیت

سفید انقلاب زراعت کو ترقی دینے میں ناکام رہا

کے ساتھ زیادہ رہا ہے اس کا فی کس صرف جو ۱۹۶۰ء میں ۸ کلو سالانہ تھا ۱۹۷۰ء میں بڑھ کر ۱۸ کلو ہو گیا اور اندازہ ہے کہ ۱۹۹۲ء تک ۴۴ کلو تک پہنچ جائے گا۔ ۱۹۷۴-۷۵ء میں تہران میں سرخ گوشت کے صرف میں ۱۰۰ فیصد اضافہ ہوا جس سے وہاں غیر ملکیوں اور دولتمند ایرانیوں کے کثیر تعداد میں جمع ہونے کا اظہار ہوتا ہے غذا کی طلب میں اضافے کی بھی یہی صورتحال ہے۔ مجموعی صرف جو ۱۹۷۱ء میں ۴۴۲ کھرب ۵ ارب ریال تھا دہ ۱۹۷۸ء میں ۱۳۰ کھرب تک پہنچ جائے گا۔

اس کمی کو زرعی اصلاحات کے نتیجے میں واقع ہونے والی عارضی کمی قرار نہیں دیا جا سکتا۔ یہ ایرانی معاشی ڈھانچے کی ایک بہت بڑی خرابی کی علامت ہے اور ایک ایسی کمی ہے جو ملک کے دستیاب وسائل ہر روز بڑھتی ہوئی مقدار میں ہضم کرتی جا رہی ہے اولاً تو غذائی اجناس کی درآمد ہے۔ امریکہ سے گیہوں کی خطیر مقدار کی خریداری اور ایشیا اور افریقہ سے گوشت کی خریداری۔ ۱۹۷۷ء کے بارے میں سرکاری اعداد و شمار سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایران نے اپنی ضرورت کا ۱۸ فیصد گوشت، ۹ فیصد مرغیاں، ۱۴ فیصد رس دار پھل درآمد کئے۔ ہو سکتا ہے کہ حقیقی اعداد و شمار اس سے بہت زیادہ ہوں۔

اس وقت تیل سے ہونے والی آمدنی کا ۱۰ سے ۲۰ فیصد غذائی اجناس کی درآمد پر صرف ہو رہا ہے ۱۹۸۰ء میں غذائی اجناس کی درآمدات کی مالیت ۴ ارب ڈالر تک پہنچ جائے گی اور ۱۹۸۵ء تک بڑھ کر ۱۱ ارب یا تیل کی کل آمدنی کے ۴۰ فیصد تک پہنچ سکتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ صارفین کو خوش رکھنے اور پیدا کنندگان کو ترقی دینے کے لئے ریاست غذائی اجناس کے لئے زرتلافی کے طور پر بڑی بڑی رقمیں خرچ کر رہی ہے جس کی مقدار اندازاً ۲ ارب ڈالر بتائی جاتی ہے۔

زرعی اصلاحات نے ایسی صورت پیدا کی ہے کہ جس میں زمین کے مالک تو زیادہ ہیں لیکن پیداوار میں اضافے کی حوصلہ افزائی نہیں ہوتی ہے۔ اس میں رد و بدل کرنے کے لئے ریاست ایک پالیسی کی بجائے دوسری پالیسی اختیار کرتی رہی ہے۔ نئے مالک زمینداروں کی طرف سے پیداوار میں ناکامی کے بعد آٹھویں دہائی کے وسط میں ریاست نے زرعی کاروبار کی حوصلہ افزائی کی کہ ایرانی اور غیر ملکی سرمایہ دار ایرانی اراضی سے وسیع پیمانے پر فائدہ اٹھائیں لیکن اس پالیسی نے کئی کاشتکاروں اور کسانوں کو بے گھر کر دیا۔ اس کے ساتھ ریاست نے فیصلہ کیا کہ آزاد کسانوں کو زبردستی ریاستی فارموں اور پیدا کنندگان کی انجمنوں میں ضم کیا جائے جس کی وجہ سے ایرانی کسانوں کی طرف سے مزاحمت میں اضافہ ہوا۔ وزیر زراعت و دیہی ترقیات احمد علی احمدی نے کچھ عرصہ پہلے تنقید کا جواب یہ کہہ کر دیا کہ ایک ۲۵ سالہ زرعی ترقیاتی منصوبہ مرتب کریں گے لیکن ایسی کوئی علامات نہیں پائی جاتیں کہ ریاست کسی طرح بھی ایران زراعت کی اس تباہ کن صورتحال کو درست کر سکے گی۔

انتہائی کامیاب ترقیاتی تجربات میں زراعت نے نہ صرف شہری اور صنعتی طلب کو پورا کرنے کے لئے پیداوار کی ہے بلکہ اس نے فاضل سرمایہ بھی پیدا کیا ہے تاکہ سرمایہ کاری اور صنعتکاری میں کام آئے۔ ایران کے معاملے میں تیل نے ایرانی ریاست کو اس قابل بنایا کہ ملک کو صنعتی بنانے کی کوشش کرے جبکہ وہ زراعت کو اس انداز میں تبدیل کرنے میں ناکام رہی کہ وہ معیشت میں مثبت حصہ لے سکے۔ نتیجہ یہ ہے کہ ترقی کا عمومی دھارا الٹا بہہ رہا ہے۔ تیل زراعت کو زرتلافی فراہم کر رہا ہے۔ دیہی علاقوں میں سرمایہ کاری کے لئے رقم فراہم کر رہا ہے۔ غذائی درآمدات کی ادائیگی کر رہا ہے اور صارفین کو اونچی قیمتوں سے بچانے کے لئے زرتلافی فراہم کر رہا ہے۔ یہ اقتصادی

اگلے سال غذائی اجناس

کی درآمد پر ۴ ارب ڈالر

خرچ کرنے پڑیں گے

بدولت لمبے عرصے جاری نہیں رہ سکتا اور تھوڑے ہی عرصے میں شاہانہ پہلوی دور کے معاشی پروگرام کی سب سے بڑی منفرد ناکامی کے طور پر سامنے آئے گا۔

اختتامیہ

ایران کو آئندہ برسوں میں دو قسم کے اقتصادی بحرانوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ آئندہ دس برسوں میں اسے اس مسلسل بحران کا سامنا کرنا پڑے گا جو تیل کی محصولات کے ذریعے معیشت کو جدید بنانے میں حکومت کی نااہلی سے پیدا ہو گا۔ زراعت اور صنعت کے موجودہ مسائل آسانی سے حل نہیں ہوں گے اور اس کے کوئی آثار نہیں ہیں کہ شاہ اور ان کے مشیر درپیش مسائل کی گہرائی کا احاطہ کر سکے ہوں۔ پیٹرو کیمیکل پلانٹ اور جوہری توانائی کے پروگرام ایسی پالیسیاں جن پر صرف بے پناہ ہو گا اور جن کی معاشی افادیت مشکوک ہے، کو جاری رکھنے کے حالیہ فیصلے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ شان و شوکت کے پہلوی خواب جاری ہیں۔

۱۹۸۰ء کے بعد کی دہائی کے وسط میں کسی وقت ایک اور زیادہ ہمہ گیر بحران طاری ہو گا جو تیل کے محصولات میں قطعی کمی سے پیدا ہو گا۔ مزید یہ ممکن نہیں ہو گا کہ موجودہ پیمانے پر غذائی اجناس درآمد کی جا سکیں اور ان پر زرتلافی فراہم کیا جا سکے۔ یہ بھی ممکن نہیں ہو گا کہ صنعت کو مدد فراہم کی جائے یا ہتھیار درآمد کئے جائیں یا اسی طرح سرمائے کی آزادانہ نقل و حرکت کی اجازت دی جائے جیسے کہ ۱۹۷۰ء کے بعد سے حاصل تھی۔ حکومت کے لئے جوڑ توڑ کی گنجائش بہت کم ہو جائے گی۔ انیسویں صدی کے اواخر کی طرح یہ غیر ملکی قرضوں کی محتاج ہو جائے گی لیکن اس سے زیادہ بڑے پیمانے پر اور اس کے پاس وہ وسائل نہیں ہوں گے کہ وہ ایرانی عوام کے اس بحران کے بھرپور اثرات کو محسوس کرنے کو روک سکے۔

ایسے بحران کا مطلب لازمی طور پر یہ نہیں ہو گا کہ ایران میں سرمایہ داری کا خاتمہ تو ایک طرف رہا پہلوی حکومت کا بھی خاتمہ ہو جائے گا لیکن آئندہ ۲۰ برسوں کے معاشی بحران سے اس بات کا امکان بہت بڑھ جائے گا کہ انقلاب کے ذریعے حکومت کا تختہ الٹ دیا جائے۔ ایران کے حالیہ فسادات سے یہ ظاہر ہو چکا ہے کہ آبادی کے ان حصوں میں جنہیں تیل سے حاصل ہونے والی خوشحالی میں حصہ نہیں ملا ہے حکومت کے خلاف عناد کا نسبتاً غیر منظم لیکن طاقتور عنصر موجود ہے۔ اقتصادی بدحالی کو ایک سماجی انقلاب میں تبدیل کرنے کے لئے جس گیان کی ضرورت ہے وہ طویل مدت تک باشعور سیاسی کام کے ذریعے پیدا ہو گا۔

اس مضمون کی پہلی قسط میں یہ عرض کر دیا گیا تھا کہ یہ مقالہ مئی ۱۹۷۸ء میں برسیلز کے مقام پر منعقد ہونے والے ایران کے بارے میں بین الاقوامی سیمینار میں پڑھا گیا تھا۔ بعد کے حالات نے یہ ثابت کر دیا کہ ایرانی عوام فاضل مضمون نگار کے اندازوں سے زیادہ منظم اور پرجوش نکلے اور بادشاہت کا خاتمہ جو مضمون نگار کو آئندہ ۲۰ سال کی بات نظر آ رہی تھی اس کی پہلی قسط یعنی رضا شاہ پہلوی کا ایران سے اخراج ۷ ماہ میں مکمل کر لی۔ ان الفاظ سے ہمارا مقصد فاضل مضمون نگار پر طنز یا ان کی تحقیر نہیں بلکہ صرف اس حقیقت کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ جب عوام عزم محکم اور ایثار و قربانی کے جذبات کے ساتھ اپنے حالات کو تبدیل کرنے کے لئے میدان عمل میں نکل آتے ہیں تو وہ سفر جو عالموں کے نزدیک برسوں کا سفر ہوتا ہے وہ اسے مہینوں، ہفتوں بلکہ دنوں میں طے کر لیتے ہیں۔ عوام طاقت کا سرچشمہ ہیں۔ عوام وہ طاقت ہیں جس کے آگے جدید ترین ہتھیار اور اعلیٰ تربیت یافتہ فوجیں کھلونوں سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے۔ (ادارہ)

**

ایران

زہرہ نگاہ

(زخاکِ سعدیِ شیراز، بوئے عشق آید)

مری زمیں بھی تمہاری زمیں سے ملتی ہے
مری زباں سے ہے رشتہ تمہارے لفظوں کا
تمہارے شعر ابھی تک مری کتابوں میں
روایتوں سے تعلق مرے فسانوں کا!

دریدہ پیرہنی بے بسی بھی ایک سی ہے
برہنہ پائی، شکستہ دلی بھی ایک سی ہے
ہر ایک دیدۂ پُر آب ایک جیسا ہے
ہر اک خیال، ہر اک خواب ایک جیسا ہے
اگر ہے فرق کہیں پر تو بے ارادہ ہے
کہ میرے شاہوں کی تعداد کچھ زیادہ ہے
جو تار تار کرے ہر لباسِ محرومی
خدا کرے کہ وہ دستِ جنوں مجھے مل جائے
تمہارے کوچہ و بازار میں جو مہکی ہے
وہ بوئے عشق کبھی میری خاک سے بھی آئے

"جب میں مشرقی پاکستان سے واپس آیا اور ماری پور ایئرپورٹ پر اترا تو میجر شیر بہادر میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ آپ کے جانے کے بعد پاکستان ایئر فورس کے ایئر کموڈور رب کو صدر جنرل اسکندر مرزا نے ٹیلی فون کیا تھا اور پوچھا تھا

"کیا تم اس ملک کے وفادار ہو؟"

رب نے کہا۔ "ہاں میں وفادار ہوں۔"

"کیا میرے بھی بہ حیثیت صدر وفادار ہو؟"

رب نے کہا "ہاں میں وفادار ہوں"۔

"کیا تم میرے احکام کی تعمیل کرو گے خواہ اس میں تمہاری جان خطرے میں پڑ جائے۔"

اس کے جواب میں رب نے کہا "جناب پہلے مجھے احکام معلوم ہونے چاہئیں۔"

اسکندر مرزا نے کہا۔ "میں چاہتا ہوں کہ تم جا کر تین جنرلوں کو گرفتار کر لو۔ ان کے نام ہیں جنرل یحییٰ جنرل شیر بہادر اور جنرل حمید۔"

اس پر ایئر کموڈور رب جھجکے اور طرح دیتے ہوئے کہا۔ "جناب! کیا میں حاضر ہو جاؤں؟ کیا آپ مجھے تحریری حکم دیں گے؟"

(ایوب خان کی سوانح "جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی" سے ایک اقتباس صفحہ ۱۲۲۔)

اس کا خیال کتنا غلط تھا یہ اس نے اپنی زندگی میں دیکھ لیا

علماء مسلمانوں کے مسائل سے بے خبر ہیں، ایوب خان

ظفر قریشی

ملک میں جب بھی مسائل کھڑے ہوتے ہیں، سر پر تلوار لٹکتی نظر آتی ہے، بے اختیار وہ شخص یاد آتا ہے، جو ان میں سے بیشتر خرابیوں کا ذمہ دار تھا، جن میں آج ہم گلے گلے تک غرق ہیں۔ مرحوم نے گنے کے کھیت میں کھڑے ہو کر خود کو فیلڈ مارشل تو قرار دے لیا تھا۔ لیکن اسی گنے کی پیداوار، چینی کی قلت اسے لے ڈوبی۔ جب تک وہ برسرِ اقتدار رہا ملک کی بنیادوں کو کمزور کرتا رہا اور یہ سمجھتا رہا کہ میں ہی اس ملک کا نجات دہندہ ہوں اور ملک میری ہی قیادت میں مستحکم ہو سکتا ہے! اس کا خیال کتنا غلط تھا، یہ اس نے اپنی زندگی ہی میں دیکھ لیا۔ اس کے دورِ حکومت میں بھی ساری سرکاری مشینری اس کی ذات کے گرد گھومتی تھی۔ وہ خوش ہوتا تو سمجھتا کہ قوم خوش ہے اس کو کوئی غم لاحق ہوتا تو سمجھتا کہ ہر شخص اس کی طرح غمگین ہے۔ یہ کیفیت ڈکٹیٹروں کا خاصا ہوتی ہے۔ چنانچہ ہر ڈکٹیٹر کی طرح اس نے بھی اپنے آپ کو پوری طرح اقتدار کی کرسی کے لئے وقف کر لیا تھا۔

پھر ایک وقت ایسا بھی آیا جب وہ کرسی کو چھوڑنا چاہتا تھا لیکن کرسی اسے چھوڑنے کے لئے تیار نہ ہوئی اور یوں وہ خود اپنے پیدا کئے ہوئے خوشامدیوں کے جال میں پھنستا چلا گیا، حتیٰ کہ ایک دن انہوں نے اسے آم کی چوسی ہوئی گٹھلی کی طرح ایوانِ اقتدار کی کھڑکی سے باہر پھینک دیا۔

مرحوم ایوب خان نے ملک کو جو نقصان پہنچایا، اس کا احاطہ کرنے کے لئے تو ایک جامع کتاب لکھی جا سکتی ہے اور لکھی جانی چاہیئے تاکہ لوگوں کو معلوم تو ہو کہ یہ لوگ جو اپنے فرائض منصبی چھوڑ کر وقتاً فوقتاً قوم کو جس طرح پریڈ کرانے آ جاتے ہیں، اس سے ملک کی جڑیں کیونکر کمزور ہوتی ہیں۔

لیکن اپنی تمام تر کمزوریوں کے باوجود مرحوم ایوب خان میں چند خوبیاں بھی تھیں جن میں سے ایک اس کی قوتِ مشاہدہ ہے۔ اپنی سوانح "جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی" میں اس نے جو کچھ لکھا ہے، اس سے آپ اختلاف کر سکتے ہیں، لیکن یہ سوچے بغیر نہیں رہ سکتے کہ اس کی باتیں سراسر بے وزن نہیں۔ مثلاً صفحہ ۲۳۰ میں وہ لکھتا ہے۔

"برصغیر ہندوپاکستان میں علما کا ماجرا یہ رہا ہے کہ وہ تعلیم یافتہ طبقوں سے برابر الجھتے رہے ہیں۔ یہ تنازعہ حصولِ پاکستان کی جدوجہد کے زمانے میں فیصلہ کن مرحلے پر پہنچ گیا۔ یہ بات کسی سے چھپی ہوئی نہیں ہے کہ متعدد علما کھلے بندوں قائداعظم کی مخالفت اور نظریۂ پاکستان کی تحقیر کرتے تھے۔ میرا مطلب یہ نہیں کہ جو علما قیامِ پاکستان کے مخالف تھے وہ سب کے سب ضمیر فروش تھے۔ ان میں جوہرِ قابل بھی تھے اور صاحبِ یقین بھی۔ مگر ان میں ایسے لوگ بھی شامل تھے جو سمجھتے تھے کہ اگر پاکستان وجود میں آ گیا تو انہیں اقتدار سے ہاتھ دھونے پڑیں گے، ان میں جو بہترین لوگ تھے وہ یہ دلیل پیش کرتے تھے کہ اگر ہندوؤں اور مسلمانوں میں اتحادِ عمل نہ ہوا تو آزادیٔ ہند کی تحریک کمزور پڑ جائے گی۔ ان میں سے کچھ کا یہ خیال تھا کہ پاکستان محض ایک علاقائی تصور ہے اور عالمی اخوتِ اسلامی کے فلسفے کے خلاف ہے۔ یہ دونوں دلیلیں الجھی ہوئی فکر کا نتیجہ تھیں اور اس افسوسناک حقیقت کو ظاہر کرتی تھیں کہ برصغیر کے مسلمانوں کو جن حقیقی مسائل کا سامنا ہے علما ان سے کس قدر بے خبر ہیں۔ آزادی ملنے ہی والی تھی، یہ رک نہیں سکتی تھی۔ مسلمانوں کو اس بات کی تشویش نہ تھی کہ آزادی کتنی جلد ملے گی انہیں فکر یہ تھی کہ جب انہیں آزادی ملے تو وہ اپنی زندگی کو اپنے نظریات کے مطابق ڈھال سکیں! انہیں ڈر تھا کہ

کہیں انگریزوں کے تسلط کا اختتام ہندوؤں کے تسلط کا آغاز نہ بن جاتے۔ وہ آقاؤں کی تبدیلی کے خواہش مند نہ تھے۔ پچھلے تجربات کی بنا پر وہ جانتے تھے کہ ہندو ایک ہی سیاسی ڈھانچے میں مسلمانوں کے ساتھ مساویانہ حیثیت میں زندگی گذارنے پر آمادہ نہ ہوں گے۔ وہ علما جو انڈین نیشنل کانگرس کے ممبر تھے، اس سادہ سی بات کی اہمیت کو نہ سمجھ سکے اور بالآخر مسلمانوں کی تحریکِ آزادی سے بالکل کٹ کر رہ گئے۔"

آگے چل کر ایوب خان صفحہ ۳۲۳ پر لکھتا ہے۔

"لیکن اکثر علماؔ جو پاکستان کی مخالفت کرتے تھے اس کی وجہ محض ان کی پریشان دماغی یا اسلامی مسائل سے بے خبری نہ تھی اس کے پیچھے اپنے اقتدار کا شعور بھی کارفرما تھا۔ میں یہاں واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ میرا روئے سخن علماؔ کے اس طبقے کی طرف ہے جو کھلے بندوں سیاست میں حصہ لے رہا تھا، ان نیک بندوں کی طرف نہیں جو بے غرضانہ اور مخلصانہ طریق پر قرآنِ حکیم کی تعلیم کی اشاعت اور اسلام کے پیغام کی تبلیغ کر رہے تھے۔ میں ان سیاسی علماؔ کا ذکر کر رہا ہوں جو مسلم نیشنلسٹوں کے مقابلے میں خود کو انڈین نیشنلسٹ مسلم کہتے ہیں۔ وہ انڈین نیشنل کانگریس یا ایسے اداروں کے ممبر تھے جنہوں نے کانگریس سے اشتراکِ عمل کر رکھا تھا۔ وہ کانگرس سے تعلق رکھنے کے باعث بڑی طاقت رکھتے تھے کیونکہ کانگریس برصغیر کی سب سے بڑی جماعت تھی۔ ہر چند قائداعظم نے دنیا پر واضح کر دیا تھا کہ برصغیر کے مسلمانوں کی واحد سیاسی جماعت آل انڈیا مسلم لیگ ہے اور کسی اور جماعت کو برصغیر کے مسلمانوں کی نمائندگی کا حق نہیں پہنچتا، مگر حکومت برطانیہ ملک میں جو سیاسی انتظام بھی تجویز کرتی، کانگریس اپنے مسلمان ممبروں کو اس میں شامل کرنے پر اصرار کرتی۔ کانگریسی مسلمانوں کا خیال تھا کہ غیر منقسم ہندوستان میں حکمران پارٹی یعنی کانگریس کے تحت مسلمانوں کی قیادت ہمارے ہی ہاتھ میں رہے گی۔ علماؔ جانتے تھے کہ برصغیر کے مسلمانوں کی رہنمائی رفتہ رفتہ جدید تعلیم یافتہ طبقوں کو حاصل ہوتی جا رہی ہے۔ ان لوگوں کو قائداعظم کی ذات میں ایک شعلہ بیان اور طاقت ور لیڈر مل گیا تھا۔ قائداعظم انگریزوں اور ہندوؤں سے جس اٹل ارادے کے ساتھ مصروفِ جنگ تھے۔ اس سے ان علماؔ کا اقتدار سخت خطرے میں پڑ گیا تھا۔ قائداعظم کی خدمت ملی، ان کی کامل بے لوثی اور اخلاص و ایثار نے لوگوں کے ایک ہجوم کو جو ڈانواں ڈول پھر رہا تھا ایک طاقتور اور حقیقی قوم بنا دیا تھا۔ یہی وہ نئی قیادت تھی، جس سے علماؔ خائف تھے اور اسی کی مخالفت میں انہوں نے انڈین نیشنل کانگریس سے ناطہ جوڑ لیا تھا۔"

تعلیم یافتہ مسلمانوں اور علماؔ کا یہ اختلاف کوئی نیا اختلاف نہ تھا۔ انگریزی راج کے ابتدائی برسوں ہی سے اس کی بنا پڑ گئی تھی اور یہ پاکستان کی جدوجہد کے دوران اپنی انتہا کو پہنچ گیا تھا۔ ہندوستان میں انگریزی اقتدار کے قدم جما لینے کے بعد برسوں تک علماؔ نے مسلمانوں کو مغربی تعلیم سے الگ رکھا۔ مسلمانوں کا یہ تعصب اور علم سے دانستہ محرومی کا یہ سلسلہ انیسویں صدی تک جاری رہا۔ مسلمانوں میں احیائے علوم کا آغاز ہوا جنہوں نے ایک طرف مسلمانوں کے ماضی کو کھنگالا اور دوسری طرف ان کے مستقبل کی فکر کرنی شروع کی ان کے بعد سرسیّد احمد خان اپنا یہ پیغام لے کر اٹھے کہ مسلمان مغربی علوم اور جدید فنون حاصل کئے بغیر ترقی نہیں کر سکتے۔ ان کا قول تھا اور یہ ایک سادہ سی حقیقت ہے کہ علم پر کسی قوم کی اجارہ داری نہیں یہ تمام بنی نوعِ انسان کی ملکیت ہے۔ پھر کیا تھا علماؔ کا ایک طبقہ پکار اٹھا کہ یہ شخص کافر ہے۔ مگر اس سارے لعن طعن کے باوجود سرسیّد ہار ماننے والے آدمی نہیں تھے۔ وہ جرأت کے ساتھ قدم جمائے رہے۔ بڑی کوششوں سے قوم کی ذہنی قوتوں کو ابھارا۔ جوں جوں مسلمان مغربی علوم سے بہرہ مند ہوتے گئے مسلم قوم پر علماؔ کا تسلط کمزور پڑتا گیا۔"

ایوب خان نے اپنی سوانح کے صفحہ ۳۳۴ پر موجودہ دور کے پاپائے اعظم مولانا مودودی کا ذکر کن الفاظ میں کیا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

"پاکستان کا قیام علماؔ کی زبردست شکست تھا۔ لیکن علماؔ کا طبقہ بڑا سخت جان واقع ہوا ہے اور طاقت ایک ایسا نشہ ہے جس کی ترغیب سے بچنا محال ہے۔ جیسے ہی پاکستان وجود میں آیا اسی طرح کے علماؔ نے از سرِ نو اپنی قوتوں کو منظم کرنا شروع کر دیا۔ ان لوگوں کا کہنا تھا کہ اب جب کہ پاکستان قائم ہو ہی گیا ہے تو ہمارے سوا اس بات کا فیصلہ کون کر سکتا ہے کہ اس نئی اسلامی مملکت کا انتظام کس طرح چلایا جائے۔ بعض نیشنلسٹ علماؔ نے ہندوستان ہی میں ٹھہرنے کا فیصلہ کیا مگر بعض دیگر حضرات جلدی سے پاکستان کی مدد کے لئے دوڑ آئے، کہ مسلمانوں کو تو پاکستان سے نہ بچا سکے اب پاکستان کو مسلمانوں کے ہاتھ سے بچا لیں۔ آنے والوں میں جماعت اسلامی کے امیر مولانا ابوالاعلیٰ مودودی بھی تھے جو پاکستان کے زبردست مخالف رہ چکے تھے۔ موصوف نے آخر یہاں آ کر پناہ لی اور پھر جلد ہی پاکستان کے بدنصیب عوام کو "مسلمان بنانے" کی مہم شروع کر دی۔ ان بزرگ نے پاکستان میں جو کچھ دیکھا بڑا روح فرسا تھا۔ غیر اسلامی ملک، غیر اسلامی حکومت اور غیر اسلامی لوگ، بھلا کوئی سچا مسلمان ایسی حکومت سے کیونکر تعاون کر سکتا تھا۔ چنانچہ انہوں نے لوگوں کو ان کی خامیوں، کوتاہیوں اور ان کی عام پستی کا احساس دلانے کی مہم شروع کر دی۔

یہ محض دکھاوا تھا، اصل مقصد یہ تھا، علماؔ کی برتری کو از سرِ نو بحال کرنا اور اپنے لئے قوم کی رہنمائی کا حق منوانا، چونکہ تحریک پاکستان کی قیادت تعلیم یافتہ طبقے نے ایک ایسے شخص کی سرکردگی میں کی تھی، جو مغربی تعلیم کا نمونہ تھا، اس سے علماؔ کے وقار کو سخت ٹھیس لگی تھی، اس کی تلافی ضروری تھی۔ سیاسی علماؔ کے سامنے دو راستے تھے۔ ایک تو یہ کہ اپنی حالت کا از سرِ نو جائزہ لیں اور اپنے طرزِ نظر کو بدلیں تاکہ لوگ دینی اور دنیوی معاملات میں ان کے علم سے فائدہ اٹھا سکیں۔ دوسرا یہ کہ خدا ترس مگر ناخواندہ عوام کی نظروں میں تعلیم یافتہ طبقوں کے وقار کو گرا دیں۔ انہوں نے لازماً دوسرا راستہ اختیار کیا۔ ظاہر ہے کہ ایک معاشرہ جو ایک صدی کی غلامی کے بعد، تازہ تازہ آزاد ہوا تھا، اور جس کو ملکی تعمیر کے سلسلے میں بیسیوں مسائل سے دوچار ہونا پڑ رہا تھا، اس میں بہت سی خامیاں اور کمزوریاں ہوں گی۔ علماؔ نے اپنی توجہ انہی پر مرکوز رکھی۔ وہ ملک بھر میں پھیل کر لوگوں کو سمجھانے لگے کہ تمہاری زندگی کتنی مصیبت زدہ ہے اور تمہاری حکومت کتنی نکمی ہے۔ انہوں نے ایک اُمید پرست اور جوشِ عمل سے سرشار قوم کو ایک تلخ مزاج اور حرماں نصیب قوم بنا دیا۔ انہوں نے دعویٰ کیا کہ ہم ہر مرض کی دوا اور ہر درد کا علاج جانتے ہیں۔ ہمارے لئے ملکی مسائل کو حل کرنا کچھ مشکل نہیں لیکن بے بس ہیں کہ ملک پر جدید تعلیم یافتہ طبقوں کا قبضہ ہے جو اسلام کو خیرباد کہہ چکے ہیں اور مغرب زدہ ہو کر رہ گئے ہیں۔ چونکہ کوئی قیادت بھی پلک جھپکنے میں قوم کی ساری مصیبتیں دور نہ کر سکتی تھی اس لئے ان علماؔ کی خوب بن آئی اور انہوں نے بہت لوگوں کو اپنا ہیرو بنا لیا۔"

ایوب خان کی خوبیاں اور خامیاں ایک طرف، مگر حیرت ہوتی ہے کہ وہی جماعت اسلامی اور نیشنلسٹ علماؔ پر مشتمل جمعیت علماؔ اسلام نامی جماعتیں آج غیر نمائندہ حکومت میں شامل نظر آتی ہیں۔

کیا سزائے قتل کے قانون پر نکتہ چینی قانون کی توہین ہے؟

وکٹر ہیوگو

ترجمہ : مولانا ابوالکلام آزاد

۱۸۵۱ء کا واقعہ ہے کہ فرانس میں ایک مجرم کو قتل کی سزا دی جا رہی تھی۔ مجرم نے گلوٹین پر چڑھنے سے انکار کر دیا۔ شور مچایا۔ واویلا کیا۔ فرانس کے مشہور ادیب وکٹر ہیوگو کے لڑکے چارلس ہیوگو نے اس سزا کے خلاف مضمون ایک اخبار میں چھپوایا۔ حکومت کی نظر سے یہ مضمون گزرا تو مصنف پر قانون کی توہین کا مقدمہ دائر کیا۔ وکٹر ہیوگو نے صفائی میں گواہی دی۔ اس تقریر کی قانونی اور ادبی، دونوں حیثیتیں ایسی ہیں کہ مولانا ابوالکلام آزاد نے اس کا شاندار ترجمہ کر کے اپنے ہفتہ روزہ "الہلال" میں شائع کیا جہاں سے ہم جوں کا توں اخذ کر رہے ہیں۔

انسانی قانون نے اسے سولی پر لٹکایا حالانکہ

***

"سرکاری وکیل کے ابتدائی الفاظ سننے کے بعد میں نے یقین کر لیا تھا کہ وہ الزام سے دستبردار ہو جائیگا۔ لیکن میرا یہ یقین محض بے بنیاد وہم ثابت ہوا اور بہت جلد دور ہو گیا۔ سرکاری وکیل نے متعدد کوششیں کیں (جو سب کی سب ناکام رہیں) کہ موضوع کو محدود و محصور کر دے لیکن موضوع کی طبیعت نے اسے تفصیل پر مجبور کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تمام پہلو روشنی میں آ گئے' اور وکیل کی خلاف مرضی معاملہ نے اپنی پوری اہمیت حاصل کر لی۔' لیکن مجھے اس نتیجہ پر کوئی شکایت نہیں ہے۔

"میں اب بلا کسی تمہید کے فوراً الزام کا مقابلہ کرتا ہوں۔' لیکن سب سے پہلے ہمیں ایک بنیاد پر متفق ہو جانا چاہیئے کیونکہ مشہور مقولہ ہے "موضوع کی عمدہ تعریف' عمدہ بحث پیدا کرتی ہے"۔ پس ہمیں سب سے پہلے یہ طے کر لینا چاہیئے کہ "قانون کی حرمت" کے معنی کیا ہیں؟ یہ اس لئے کہ آج کی بحث کی بنیاد یہی مسئلہ ہے۔

"ناممکن ہے اس جملہ کے معنے یہ ہوں کہ قانون کی حرمت کے بہانے سے قانون پر نکتہ چینی روک دی جائے۔ اس جملہ کے معنی اس سے زیادہ کچھ نہیں ہو سکتے کہ قانون کی تنفیذ کا احترام کیا جائے اور بس' یہ جملہ نکتہ چینی کی پوری آزادی دیتا ہے' سخت سے سخت نکتہ چینی کی بھی' بلکہ مذمت کی بھی' صرف ایک قانون ہی کی نہیں بلکہ خود ملک کے دستور (کانسٹی ٹیوشن) کی بھی جو سب سے اعلیٰ قانون ہوتا ہے۔"

"یہ جملہ ہمیں پوری آزادی دیتا ہے کہ تشریعی قوت (قانون ساز قوت) کو کسی "خطرناک" قانون کی منسوخی پر آمادہ کریں۔ اسی قدر نہیں بلکہ یہ ہمیں اجازت دیتا ہے کہ قانون کی راہ میں ہر قسم کی اخلاقی اور معنوی دشواریاں حائل کریں۔ بلاشبہ وہ ہمیں مادی دشواریاں پیش کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔

"قانون نافذ ہونے دو' اگرچہ کتنا ہی خراب' کتنا ہی ظالمانہ' کتنا ہی وحشیانہ ہو۔ اپنے دل و دماغ کے سامنے اس کی شکایت کرو' مقنن سے شکوہ کرو' مگر خود قانون کو روکو نہیں' اسے جاری ہونے دو۔ ببانگ دہل کہو کہ وہ خراب ہے' ظالمانہ ہے' وحشیانہ ہے لیکن اس کی راہ روک کر کھڑے نہ ہو۔

"ہم نکتہ چینی کریں گے۔ مذمت کریں گے' مگر بغاوت نہیں کریں گے۔ یہی وہ حقیقی معنی ہیں' یہی وہ وحید معنی ہیں۔

"قانون کے احترام کے" اگر یہ نہیں تو اے حضرات ذرا غور تو کیجئے۔

"قانون سازی کا تشکل عمل دو قسموں پر منقسم ہوتا ہے مقنن اور اخبارات۔ اگر میری تشریح قبول نہ کی جائے تو اس کا نتیجہ اس کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا کہ دوسری قسم معدوم ہو جائے گی کیونکہ اخبارات کا فرض ہے کہ قوانین پر نکتہ چینی کر کے مقنن کو قانون سازی میں مدد دیں' وہ مدد جس کے بغیر کوئی قانون مکمل نہیں ہو سکتا جب یہ قسم معدوم ہو جائے گی تو قدرتی طور پر پہلی قسم یعنی مقنن کا وجود بھی بیکار ہو جائے گا۔ یعنی ہماری پارلیمنٹ معطل ہو کر رہ جائے گی اور اس کے لیے اس کے سوا کوئی کام باقی نہ رہے گا کہ ہمیشہ کے لئے بند ہو جائے۔

"میرے خیال میں سرکاری وکیل کی منطق یہ خواہش تو نہ رکھتی ہوگی (قہقہہ)

اس مسئلہ کے صاف کر دینے کے بعد اب میں اصلی موضوع پر متوجہ ہوتا ہوں۔

"جج اور جیوری! اس ضابطۂ قانون میں جسے ہم "قدیم یورپین ضابطۂ قانون" کہہ سکتے ہیں ہم ایک ایسا قانون موجود ہے جس کی منسوخی پر گذشتہ سو برس سے تمام فلاسفہ مفکرین اور حقیقی سیاست دان زور دے رہے ہیں۔ سب کا بیک زبان مطالبہ رہا ہے کہ "مقدس تعزیرات" سے یہ قانون ہمیشہ کے لئے نکال دیا جائے۔

آیئے ہم پارلیمنٹ بند کر دیں مدرسے بند کر دیں اب ترقی و تمدن کی کوئی گنجائش نہیں

"اس قانون کے متعلق بکا
قانون ہے" فرانکلین کہا کرتا تھا"
ہمیں معلوم ہے ان دونوں پر کبھی
چلایا گیا۔
"اسی قانون کے بارے میں
میں اس احترام کے بغیر نہیں لے
لئے دہر اس شخص کے لئے
قربان گاہ پر بھینٹ چڑھا ہو
سے نفرت کرتا رہا ہوں"۔ اسی
بروگلی نے سختی سے نکتہ چینی کی
"یہی وہ قانون ہے جس
سے تیس برس پہلے تسلیم کیا ہے
حالانکہ ٹھیک اسی زمانے میں ایک
نے اسے ملک کے ضابطۂ قوانین
"یہی وہ قانون ہے جسے
کانگریس نے منسوخ کیا اور اسی

جمہوریت رومان نے باطل کر د
"یہی وہ قانون ہے جس
۱۸۲۸ء میں برطے پیس د پیش
قانون ہے جو اس وقت جب
تجویزوں کے رحم پر زندہ ہے
مجلس میں پیش ہیں۔
"یہی وہ قانون ہے ج
ٹھکرا چکے ہیں' اور اب وقت
نفرت سے ٹھکرا دے۔
"یہی وہ قانون ہے جس
کراہت کے ساتھ بھاگتا ہے
"وہ قانون کیا ہے؟"
"قتل!"
"اور اے حضرات!...یہی
مقدمہ پیدا کیا ہے۔ یہی ہمار
سرکاری وکیل کو غصہ آ جائے۔

نے کہا تھا" یہ بے دین
خوفناک قانون ہے" لیکن
ں قانون کا مقدمہ نہیں

ی فلپ نے (جس کا نام
ا جو بیری اور بدنصیبی کے
ہے جو اس قانون کی
یا تھا" زندگی بھر میں اس
ن پر مسیو جیز و اور مسیو دری
ھی۔
ہماری پارلیمنٹ نے اب
ی اکتوبر ۱۸۳۰ء میں۔
م وحشی امریکی پارلیمنٹ
سے خارج کر دیا تھا۔
ی سال ہوتے فرینکفرٹ
و چند سال ہوتے انجمن

گلوٹین نے قانونی نقاب اوڑھ لیا ہے
اب وہ تاریکی میں تماشہ دکھاتی ہے

کہ اس کے پیچھے بھی یہی قانون چھپا کھڑا ہے (قہقہہ)

"مجھے اعتراف ہے کہ مسیو لیوں فوشو کی طرح گذشتہ بیس برس سے میں بھی یقین کرتا تھا کہ "اب گلوٹین عام میدانوں میں ظاہر نہیں ہوگی" لیکن مجھے یہ بھی یقین ہے کہ اب گلوٹین قانونی نقاب اوڑھتی جاتی ہے۔ اب اس کی حیثیت پہلے سے بہتر ہو گئی ہے اب اس نے میدان چھوڑ دیا ہے جہاں سورج چمکتا اور مخلوق جمع ہوتی ہے۔ اب وہ سڑکوں کا ہجوم پسند نہیں کرتی۔ اب اس کا تماشہ دل پسند نہیں رہا۔ اب وہ تماشہ دل پسند نہیں رہا اب وہ تماشہ تاریکی میں دکھاتی ہے "سان جاک" کے قید خانے میں، خالی جگہ میں۔ لوگوں کی نظروں سے دور، میں اس پر مطمئن ہوا۔ میں نے اسے اپنا منہ چھپاتے

...کہ اس کا وجود قانونِ الٰہی تھا

...تے جانے کا فیصلہ کیا ہے۔
...ہماری مقننہ مجلس نے
...کے بعد منظور کیا تھا۔ یہی وہ
...میں تقریر کر رہا ہوں اُن دو
...اس کے خلاف ہماری مقننہ

دیکھا اور اس شرم و حیا پر مبارک باد دی لیکن اے حضرات، یہ میری غلطی تھی۔ کیونکہ اس نے بہت جلد اس عارضی حیا کا پردہ چاک کر ڈالا اور انتہائی بے شرمی کے ساتھ باہر نکل آئی! سان جاک کا قید خانہ یقیناً اس ملکہ قتل (یعنی گلوٹین) کے لئے توہین آمیز ہے۔ لہٰذا اب ہمیں تیار ہو جانا چاہیئے کہ جلد اسے پھر عام میدانوں میں سورج کے نیچے دیکھیں گے جلادوں کی قطاریں اس کے سامنے کھڑی ہوں گی مسلح پولیس اور فوج اس کے اعزاز میں دست بستہ ہوگی۔ بہت ممکن

...ے ٹسکانیا اور روس، دونوں
...گیا ہے کہ فرانس بھی اُسے

...ے سامنے سے انسانی ضمیر نفرت...

ہے اس کا تخت خونیں، اسی بلدیہ (کارپوریشن) کے روشندانوں کے نیچے بچھایا جائے جس کی کھڑکیوں میں کھڑے ہو کر بعض نالائقوں نے ۲۴ فروری کو اسے چلا چلا کر گالیاں دیں تھیں۔

"اب گلوٹین پھر تیاری کر رہی ہے۔ اس نے سوچنا شروع کر دیا کہ مضطرب ہیئت اجتماعیہ کو اپنے استقرار کے لئے پھر تمام پچھلی روایات کی طرف لوٹ جانا چاہیئے۔ چونکہ وہ خود بھی ایک قدیم رسم ہے اس لئے اسے بھی از سر نو آگے بڑھنا چاہیئے۔ وہ تمام مصلحین کے خلاف احتجاج بلند کر رہی ہے کیونکہ انہوں نے انتہائی گستاخی کے ساتھ اعلان کیا تھا کہ سر کاٹنے کا آلہ اس مجمع کا نشان نہیں ہو سکتا، جس کی کتاب انجیل ہے!

"وہ ان مصلحین پر سخت خفا ہے کیونکہ محسوس کرتی ہے کہ ان خیالی آدمیوں کے سامنے، جو نظام اطاعت نہیں جانتے۔ وہ بے وقعت ہوتی ہے (قہقہہ) وہ چاہتی ہے دنیا پھر اس کی عظمت کا راگ گائے اور اس کے سامنے تعظیم سے جھک جائے۔ اگر ایسا نہیں ہے تو وہ خفا ہو جائے گی، اپنی توہین پر شور مچائے گی، عدالت میں دعویٰ کرے گی اور معاوضہ طلب کرے گی۔" (قہقہہ)

جج ــــ مقرر کے بیان پر استحسان یا مذمت کا اظہار قطعی طور پر ممنوع ہے۔ اس موقعہ پر قہقہہ نہایت نامناسب ہے۔

وکٹر ہیگو (تقریر جاری رکھتے ہیں) "یہ ملکہ معظمہ (گلوٹین) خون کی مالک ہے لیکن وہ اسے کافی نہیں سمجھتی۔ وہ جرمانے اور قید خانے کی بھی حاکم بننا چاہتی ہے

"محترم عدالت! جس دن میرے سامنے وہ پروانہ پیش کیا گیا جو میرے لڑکے کے نام آیا تھا۔ یعنی اس مقدمہ کا سمن، (آج کل ہم کتنے عجائبات دیکھ رہے ہیں اور ہمیں عجائبات دیکھنے کا کس قدر عادی ہونا چاہیئے؟) مجھے اعتراف کرنا چاہیئے کہ وہ پروانہ دیکھ کر میری حیرت کی کوئی حد نہ رہی۔ میں نے تعجب سے کہا کیا؟ ... تو کیا اب ہم اس حد تک پہنچ گئے ہیں؟ کیا اب ہم اس وجہ سے مجرم قرار پائیں گے کہ عقل اور ضمیر، آزادیٔ خیال اور قانونِ فطرت کے حامی ہیں؟ کیا اب ہم سے صرف مادی احترام کافی سمجھا نہیں جاتا (جس سے ہمیں کبھی انکار نہیں ہوا، جو ہم پر واجب ہے اور جسے ہم فعلاً پیش بھی کر رہے ہیں)، بلکہ اب ہم سے مطالبہ کیا جا رہا ہے کہ معنوی احترام بھی ان سزاؤں کے لئے پیش کریں جو انسانی ضمیر کو پاش پاش کر رہی ہیں، جنہیں دیکھ کر ہر عقلمند کا رنگ فق ہو جاتا ہے، جن سے دین نفرت کر رہا ہے؟ وہ سزائیں جو سنگدلی سے بھی بڑھ کر ایک بُرائی ہیں جن کے نفاذ کے

ہاتھ کاٹنا قانون تھا
لیکن ہاتھ کٹنے کی بھی
تعظیم نہیں کی گئی

بعد ان کی تلافی محال ہے، جو بالکل اندھی ہیں، وہ سزائیں جو انسانی خون سے تر بتر ہیں، جو دین سے بالکل دور ہیں، وہ جب مجرم کے سر پر نازل ہوتی ہیں تو شبہ ہوتا ہے کہ انسانیت اس عالم میں موجود نہیں ہے جب بے گناہ پر پڑتی ہیں تو خود خدا کے وجود میں شک پیدا ہو جاتا ہے۔

"لیکن نہیں! نہیں! ہرگز نہیں! ہم ابھی اس حد تک نہیں پہنچے ہیں ... میں نے کہا مجھے پروانہ دیکھ کر سخت حیرت ہوئی (آپ عنقریب جان لیں گے میری حیرت کس درجہ عظیم تھی) کیونکہ میں نے خیال کیا، اگر اس "جرم" کا کوئی حقیقی مجرم ہے، تو وہ میرا بیٹا نہیں، خود میں ہوں۔

"میں اس وقت عدالت کے سامنے پوری صفائی سے اعلان کرتا ہوں کہ اس جرم کا حقیقی مجرم میں ہوں، میں! کیونکہ گذشتہ ۲۵ سال سے میں ہی ان سزاؤں کے خلاف ہر ممکن ذریعہ سے جنگ کر رہا ہوں۔

...ا وہ قانون ہے جس نے آج یہ
...حقیقی دشمن ہے۔ ممکن ہے
...ں میں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا

اپنے ججوں کا ذکر نہ کرو، ان میں آدھے بندر اور آدھے چیتے ہیں، والٹیئر

"میں تصریح کرتا ہوں کہ گزشتہ ۲۵ سال سے میں نے ہر طریقہ سے "انسانی زندگی کی حرمت" بچانے کی کوشش کی ہے یعنی وہی جرم کرتا رہا ہوں جو اس وقت میرے لڑکے پر عائد کیا جا رہا ہے۔ میں نے یہ جرم اپنے لڑکے سے بہت پہلے شروع کیا تھا اور اس سے کہیں زیادہ سخت طریقہ پر اس کا ارتکاب کرتا رہا ہوں۔ مہربان سرکاری وکیل! دیکھو، میں خود اپنے خلاف گواہی دے رہا ہوں۔ میں اقبالی مجرم ہوں۔ حلفیہ اقبال کرتا ہوں۔ میں نے ہر موقعہ پر یہ جرم کیا ہے۔ بار بار کیا ہے۔ اصرار کے ساتھ کیا ہے۔ ہمیشہ کرنے کا عزم رکھا ہے۔ یہ عزم اس وقت بھی میرے قلب میں موجود، بلکہ اس وقت بھی میں اس جرم سے آلودہ ہو رہا ہوں، خود عدالت کے سامنے آلودہ ہو رہا ہوں!"

"ہاں... میں خود اپنی زبان سے بغیر کسی جبر و اکراہ کے اپنے جرم کا اعلان کرتا ہوں۔ میں اعلان کرتا ہوں کہ میں زندگی بھر ان تمام قوانین کی بیخ کنی کرتا رہا ہوں جو وحشیانہ ہیں میں ہمیشہ اس بوڑھے قانون کا دشمن رہا ہوں جو کہتا ہے "آنکھ کے بدلے آنکھ اور دانت کے بدلے دانت" محترم جج اور جیوری! میں آپ کے سامنے قسم کھا کر کہتا ہوں کہ آئندہ بھی زندگی بھر ایسے تمام قوانین سے جنگ کرتا رہوں گا۔ میں ایک مصنف کی حیثیت سے عمر بھر اپنے قلم سے ان کی مخالفت کروں گا، اور ایک مقنن کی حیثیت سے اپنی آواز ہمیشہ ان کے برخلاف بلند رکھوں گا۔"

"اے حضرات! میں اعلان کرتا ہوں (یہ کہہ کر مقرر نے حضرت مسیح علیہ السلام کی تصویر کی طرف اپنے دونوں ہاتھ پھیلا دیئے جو عدالت کے کمرے میں آویزاں تھی) اس ذات کے سامنے جو اسی قانونِ قتل کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھائی گئی ہے جس کے سامنے اس وقت ہم کھڑے ہیں۔ یہ مقدس تصویر ہمیں اس وقت دیکھ رہی ہے۔ میں اس مقدس "قربانی" کے سامنے قسم کے ساتھ یہ اعلان کرتا ہوں۔ یہ وہ ہستی تھی جس نے انسانیت کی ابدی تعلیم کی خاطر، اپنے تئیں جلادوں کے حوالے کر دیا۔ اسلامی قانون نے اسے سولی پر لٹکایا حالانکہ اس کا وجود خود "قانونِ الٰہی" تھا۔

"ہاں میں اسی تصویر کے روبرو بار بار کہتا ہوں کہ میرے لڑکے نے جو کچھ لکھا، وہ صرف اس وجہ سے لکھا کہ میں نے بچپن ہی سے اُسے اس کی تلقین کی تھی... کیونکہ وہ جب سے میرا جسمانی لڑکا ہے، اسی وقت سے میرا روحانی فرزند بھی ہے کیونکہ وہ کوشش کرتا ہے کہ اپنے باپ کی راہ پر چلے لیکن بیٹے کا باپ کے طریقے پر چلنا بھی ایک عظیم جرم ہے واقعی یہ جرم میرے لئے سخت حیرت انگیز ہے!

"حضرات! میں اعتراف کرتا ہوں کہ یہ الزام واقعی میرے لیے شدید تعجب کا موجب ہے..."

یہ ایک منحوس قانون ہے۔ یہ قانون دنیا کے سامنے ایسے مناظر پیش کرتا ہے جو ادب و حیا سے بالکل خالی ہے انسانیت، شرم و ندامت سے اپنا منہ چھپا لیتی ہے۔ خطرناک مناظر! وحشیانہ مناظر! یہ قانون، انسانیت کو وحشت کی طرف واپس لے جانا چاہتا ہے۔ اس کی قربانیاں کتنی ہی کم ہوں مگر حد سے زیادہ خوفناک ہوتی ہیں، اس کے نتائج کتنے ہی ہولناک ہوں مگر وہ انسانوں کو نکتہ چینی کی اجازت دینا نہیں چاہتا اگر کوئی حساس ضمیر رکھنے والا نکتہ چینی کی جرأت کرتا ہے تو اس کی جرأت "قانون کی توہین" خیال کی جاتی ہے اور وہ عدالت کے اندر مجرموں کے کٹہرے میں کھڑا کیا جاتا ہے۔"

"پھر اس کے بعد؟ جرمانہ! اس کے بعد؟ قید خانہ!

"اگر یہی ہے تو آیئے، ہم پارلیمنٹ بند کر دیں، مدرسے بند کر دیں۔ اب ترقی و تمدن کے لئے کوئی گنجائش باقی نہیں رہی آیئے، اب ہم اپنے آپ کو "تاتار" اور "تبتی" کہیں اب ہم متمدن قوم باقی نہیں رہے۔

"ہاں اب ہمارے لئے یہی بہتر ہے کہ اپنے آپ کو نیم وحشی یا خالص وحشی قوم کہیں۔ اگر دنیا میں کبھی فرانس نامی کوئی ملک موجود تھا تو اب وہ موجود نہیں رہا۔ تم نے فرانس کو بدل ڈالا ہے۔ بلاشبہ فرانس، شاہ پسند نہیں ہے لیکن میں دعوے سے کہتا ہوں کہ وہ جمہوری بھی نہیں ہے۔ اب وہ ان دونوں کے سوا کچھ اور ہو گیا ہے! (قہقہہ)

مزدور رہنما رمضان کو کوڑوں اور قید کی سزا

مزدور طلبہ کسان عوامی رابطہ کمیٹی کے رہنما اور پاکستان ورکرز فیڈریشن کے جوائنٹ سیکرٹری محمد رمضان کو ۲۷ جنوری کو سرسری سماعت کی کراچی کی فوجی عدالت نے ایک سال قید با مشقت اور پانچ کوڑوں کی سزا سنائی۔ یہ سزا انہیں ۱۶ جنوری کو کراچی کے ریگل بس اسٹاپ صدر میں جام ساقی کی رہائی کے لئے مظاہرے کی قیادت کرنے کے جرم میں سنائی گئی۔ یہ مظاہرہ مزدور طلبہ کسان عوامی رابطہ کمیٹی کے زیر اہتمام منعقد ہوا تھا جس میں جام ساقی پر تشدد کرنے اور انہیں فوجی عدالت میں پیش کرنے کے خلاف نعرے لگائے گئے۔ مظاہرہ شروع ہوتے ابھی پندرہ منٹ ہی ہوئے تھے کہ پولیس بڑی تعداد میں پہنچ گئی اور انہوں نے لاٹھی چارج کر کے مظاہرے کے قائد محمد رمضان سمیت متعدد افراد کو گرفتار کر لیا

محمد رمضان کو جب سرسری سماعت کی فوجی عدالت میں پیش کیا گیا تو انہوں نے اقرار کیا کہ جام ساقی کی رہائی کے مظاہرے کی انہوں نے قیادت کی تھی۔ پولیس نے عدالت میں مظاہرے کے بینر بھی پیش کئے تھے اس پر عدالت نے جرم ثابت ہونے پر محمد رمضان کو ایک سال قید با مشقت اور پانچ کوڑوں کی سزا سنائی۔ محمد رمضان نے سزا سننے کے بعد عدالت سے درخواست کی کہ انہیں کوڑے ابھی لگائے جائیں اور ریگل بس اسٹاپ پر اس جگہ لگائے جائیں جہاں انہوں نے مظاہرہ کیا تھا انہوں نے کہا کہ اس طرح کوڑے کھانے پر میں فخر محسوس کروں گا۔ لیکن عدالت نے محمد رمضان کی اس درخواست کا کوئی جواب نہ دیا۔

مظاہرے سے محمد رمضان کے علاوہ سندھ نیشنل اسٹوڈنٹس فیڈریشن کی مرکزی رہنما محترمہ حمیدہ گھانگھرو، مزدور طلبہ کسان عوامی رابطہ کمیٹی کے الطاف الرحمٰن اور راغب الاسلام اور لیاری نوجوان تحریک کے آفس سکریٹری سردار مانڈڑا کو بھی گرفتار کیا گیا لیکن ان افراد پر مقدمہ نہیں چلایا گیا بلکہ حمیدہ گھانگھرو کو دو ماہ کے لئے کراچی بدر کر دیا گیا۔ سردار مانڈڑا کو دو ماہ کے لئے نظر بند کر دیا گیا اور راغب الاسلام اور الطاف الرحمٰن کو تین تین ماہ کے لئے نظر بند کر دیا گیا۔

●

جج — میں دوبارہ تنبیہہ پر مجبور ہوں۔ خاموشی کی درخواست کرتا ہوں، ورنہ ایوان کے خالی کر دینے کا حکم دوں گا۔

دکٹر ہیگو — (تقریر جاری رکھتے ہوئے) آیئے ہم واقعات پر غور کریں۔ الزام کو حقائق پر منطبق کریں۔

"محترم جج اور جیوری! ایک وقت اسپین میں محاکم تفتیش تھے اور وہی "قانون" تھے ... بہت خوب، لیکن مجھے یہ کہنے دیجئے کہ جو ہولناک سزائیں یہ محاکم تفتیش دیا کرتے تھے، ان سزاؤں کا احترام قانون کا احترام نہیں تھا۔ ایک زمانہ میں آگ سے داغنا، قانون تھا، مگر اس فعل کی تقدیس کبھی قانون نہ تھی۔ اب آج ہمارے زمانے میں گلوٹین قانون ہے ... بہت خوب ... میں دعوے سے اس حقیقت کا اعلان کرتا ہوں کہ اگرچہ آج گلوٹین قانون ہے مگر خود گلوٹین کی کبھی تعظیم نہیں کی گئی اور نہ اس وقت کی جا رہی ہے۔ میرے آقا، سرکاری وکیل! یہ کیونکر؟ میں ابھی آپ کو اس سوال کا جواب دے دیتا ہوں"۔

میں کہتا ہوں اس ملک کے باشندے گلوٹین کو بھی نفرت وکراہیت کے اسی گڑھے میں پھینک دینا چاہتے ہیں جس میں اب سے پہلے، ساری جہاں کی تحسین وآفرین کے غلغلہ کے ساتھ، آگ سے داغنے، ہاتھ کاٹنے اور محاکم تفتیش کی سزاؤں کو ابدالآباد تک کے لیے پھینک چکے ہیں

"باشندے چاہتے ہیں، عدالت کے بلند اور مقدس چبوترے پر سے اس سڑے ہوئے منحوس قانون کی لاش اٹھا پھینکیں، کیونکہ یہ عدل وانصاف کے نورانی چہرے کو اپنے تعفن اور ظلمت سے بگاڑ رہا ہے ... آہ ... جلاد کا منحوس چہرہ!

"چونکہ ہم یہ انسانی فرض ادا کرنا چاہتے ہیں اس لئے ہم پر شورش پھیلانے کا الزام لگایا جاتا ہے۔

"ہاں بے شک ہم نہایت خطرناک لوگ ہیں حد سے زیادہ خوفناک لوگ! کیوں؟ اس لیے کہ ہم گلوٹین کی منسوخی چاہتے ہیں۔۔ اس سے بھی بڑھ کر کوئی جرم دنیا میں موجود ہے؟

اخبار ... ال کے محرر پر الزام ہے کہ اس نے قانون کا احترام نہیں کیا۔ حضرات! تھوڑی دیر کے لئے ہم اس قانون کی عبارت میں بحث سے الگ ہو جائیں اور پورے خشوع وخضوع کے ساتھ اس قانون کے سامنے کھڑے ہوں جو ہر قانون کی بنیاد ہے! انسانی ضمیر کے سامنے، جو ہر سینے میں محفوظ ہے!

جب "سروان" نے جو اپنے عہد میں سرکاری وکیل تھا، یہ کہا تھا کہ "ہمارے تعزیری قوانین، الزام کے دروازے کھولتے مگر ملزم کے لیے بند کرتے ہیں"۔ تو کیا اس نے یہ کہہ کر قانون کی توہین کی تھی؟

"جب والٹیر نے اپنے زمانے کے ججوں کی نسبت کہا تھا ... "ان ججوں کا ذکر نہ کرو۔ ان میں سے آدھے بندر ہیں اور آدھے چیتے"۔ (قہقہہ) تو کیا اس نے قانون کی توہین کی تھی؟

"جب مدیر کولر نے ایک قانون کے متعلق خود پارلیمنٹ میں گلا پھاڑ کر کہا تھا "اگر تم یہ قانون بناتے ہو تو میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں اسے توڑ دوں گا" تو کیا یہ کہہ کر اس نے قانون کی توہین کی تھی؟

"یہ تمام مقنن، یہ تمام فلاسفر، یہ تمام شرفا جنہوں نے اس طرح کی باتیں کیں، کیا قانون کی توہین کرنے والے تھے؟ وہ قانون جو ہمیشہ وقتی اور مقامی ہوتا ہے؟ میں نہیں جانتا سرکاری وکیل کا جواب کیا ہوگا؟ ممکن ہے وہ کہے "ہاں توہین کرنے والے تھے" لیکن میں؟ تو میں یہی کہوں گا کہ یہ لوگ بازگشت تھے اس قانون کی، جس سے بڑا کوئی قانون کبھی موجود نہیں ہوا، یعنی "انسانی ضمیر" کی بازگشت۔ کیا ان لوگوں نے اپنے وقت کی عدالت کو بے حرمت کیا، وہ عدالت جو تغیر پذیر اور غیر معصوم ہے؟ ہرگز نہیں۔ وہ تو ابدی عدالت کے طلب گار تھے!

"حضرات! قانون کی نکتہ چینی کا حق سخت سے سخت نکتہ چینی کا حق خصوصاً تعزیری قوانین کی نکتہ چینی کا حق، وہ قوانین جو ہمارے اخلاق میں وحشت کی تخم ریزی کرتے ہیں، ہمارا مقدس فرض ہے اصلاح کے فرض کے پہلو میں یہ فرض ایک نور ہے جو ہمیں صراطِ مستقیم دکھاتا ہے۔ یہ حق جس طرح مقنن کو حاصل ہے اسی طرح انشا پرداز کو بھی حاصل ہے۔ یہ حق ازلی اور ابدی ہے آپ اس کا ضرور اعتراف کریں گے اور ملزموں کو یقیناً بری کر دیں گے۔

"لیکن سرکاری وکیل کہتا ہے (اور یہ اس کی دوسری دلیل ہے) کہ اخبار کی نکتہ چینی، ضرورت سے زیادہ تھی سخت تھی لیکن اے حضرات! ذرا قریب سے معاملے پر نظر ڈالیے

وزیر بلدیات کا دورہ، پانی کے گلاس کے لئے بھاگ دوڑ

ٹنڈو جام

وزراء کا دورہ معمول بن چکا ہے۔ ایسا محسوس ہونے لگا ہے جیسے ان کے پاس دوروں کے سوا کچھ نہیں۔ عوام کو دینے دلانے کے لئے بھی ان کے پاس کچھ نہیں رکھا ہے۔ چنانچہ پچھلے دنوں ٹنڈو جام میں وفاقی وزیر بلدیات محمد زمان خان اچکزئی تشریف لائے۔ شہریوں نے جب یہاں کے مسائل ان کے گوش گزار کئے تو فرمایا۔

"مسائل زیادہ ہیں ان کو حل کرنے میں وقت لگے گا"۔

سٹیزن کمیٹی کے رکن محمد شریف نے کہا کہ جناب یہاں کے مسائل حل کرنے کے لئے کم از کم دس لاکھ کی گرانٹ کا اعلان کریں۔ جواب ملا "ہمارے پاس اتنا پیسہ نہیں ہے۔ حکومت سے سفارش کردوں گا"۔

ہنگامہ اور خلفشار اس قدر تھی کہ وزیر موصوف کو تقریر کرنے کا موقع ہی نہیں ملا۔ اس پر وہ بہت ناراض ہوئے اور کہا۔ یہاں وزیروں کو دعوت دے کر اس طرح عزت کی جاتی ہے۔

لوگوں نے بہت اصرار کیا کہ تھوڑی بہت امداد کا اعلان کرتے جائیں تاکہ مسائل حل کئے جاسکیں، مگر انہوں نے جواب یہی دیا کہ میرے اختیار میں کچھ نہیں ہے۔ اس وقت میری جیب میں صرف دس روپے ہیں۔ قومی اتحاد کے ایک کارکن نے موقع غنیمت جانا اور اس نے کہا "جناب دس روپے ہی دے دیں"۔

جلسہ ختم ہوا تو وزیر بلدیات کو اردو پرائمری اسکول میں لایا گیا وہاں شاید چائے پانی کا کچھ انتظام تھا۔ وزیر صاحب نے چائے پینے سے قبل پانی مانگا تو کسی صاحب نے جواب دیا جناب واٹر سپلائی بند ہے۔ پانی کہاں سے دیا جائے۔ ادھر ادھر بھاگ دوڑ ہوتی بلدیات کے بیچارے وزیر کا حلق تر کرنے کے لئے ایک گلاس پانی کہیں سے مہیا کیا گیا۔

وزیر صاحب کے ساتھ پولیس کے تین چار سپاہی بھی تھے جو اس تمام عرصہ میں خاموش تماشائی بنے رہے۔ علاقہ کے لوگوں کو وزیر بلدیات سے بڑی توقعات تھیں کہ وہ بلدیاتی نظام اور بنیادی ترقیاتی اسکیموں کو مکمل کرنے کے سلسلے میں کچھ نہ کچھ امداد کا اعلان کریں گے مگر انہوں نے یہ کہہ کر کہ ان کے پاس دینے کے لئے کچھ نہیں ہے یہاں کے لوگوں کی خوش فہمی دور کردی ●

ذرا اس نام نہاد جرم کو غور سے دیکھیے! اخبار کا یہ ہولناک گناہ روزِ روشن میں دیکھیے!

"کیا؟... ایک شخص.. اُسے موت کا فتویٰ سنا دیا گیا... بدنصیب آدمی!.. ایک دن تور کے تڑکے اسے میدانِ عام میں کھینچ لے گئے... گلوٹین.. مہیب گلوٹین، اُس نے اپنی آنکھوں سے قائم دیکھی۔ پھر؟.. اس کے خون نے جوش مارا، اس نے مقاومت کرنی چاہی۔ اس نے مرنے سے انکار کیا... آہ! یا الٰہی! میں خوب جانتا ہوں۔ مجھے فوراً کہا جائے گا" وہ قاتل تھا" لیکن ٹھہرو... سنو، سنو.. اسے دو جلادوں نے اٹھالیا۔ اس کے دونوں ہاتھ بندھے تھے۔ اس کے دونوں پاؤں بھی بندھے تھے لیکن اس نے جدوجہد کی۔ اس نے اپنے دونوں بندھے پاؤں گلوٹین میں ڈال دیئے۔ پھنسا دیئے۔ اس نے گلوٹین کے خلاف خود گلوٹین کو استعمال کیا۔ جدوجہد جاری رہی۔ قوم نے یہ منظر مشاہدہ کیا تو اُس پر خوف چھا گیا۔ جلادوں نے سخت محنت کی۔ ایڑی سے چوٹی تک کا زور لگا دیا۔ ان کی جدوجہد وحشیانہ تھی، سنگدلانہ تھی۔ ان کی پیشانی عرق آلود اور شرم سے تاریک ہو رہی تھی۔ ان کا رنگ فق ہو رہا تھا۔ وہ تھکن سے ہانپ رہے تھے۔ مایوس تھے۔ میں نہیں کہہ سکتا، کس خوفناک خیال نے انہیں مایوس کر دیا تھا؟ بے شک قوت قانون کے ہاتھ رہنی چاہیے۔ یہ مسلّم ہے۔ یہ اصل الاصول ہے لیکن یہ کہ بدنصیب قیدی گلوٹین سے لپٹ گیا تھا۔ رو رو کر معافی کی التجائیں کر رہا تھا مگر؟ مگر یہ کہ اس کے کپڑے اتار ڈالے گئے۔ اس کا جسم ننگا کر دیا گیا اس کے شانوں پر سے خون کے فوارے اڑنے لگے.. مگر اس کی جدوجہد جاری رہی۔ آخر پون گھنٹے کے بعد، ہاں پون گھنٹے کے بعد (یہاں پر سرکاری وکیل نے ہاتھ کے اشارے سے وقت کی تحدید کو غلط بتایا۔ وکٹر ہیگو نے تقریر جاری رکھتے ہوئے کہا!) سرکاری وکیل ہم سے لمحوں کا حساب مانگتا ہے۔ پون گھنٹہ نہ سہی ۳۵ منٹ جناب ۳۵ منٹ۔ اب تو آپ کو کوئی شکایت باقی نہیں؟ ہاں، ۳۵ منٹ کی خوفناک کشمکش کے بعد.. اس منظر سے جس کا کوئی نام نہیں.. اس عذاب سے۔ تمام آدمیوں کا عذاب۔ آپ اچھی طرح سنتے ہیں؟ پوری قوم کے عذاب سے، گلوٹین کے عذاب سے، اس وحشیانہ عذاب سے جس کی مدت، پوری ایک صدی سے بھی زیادہ طویل ہو گئی تھی، بدقسمت قیدی کو رہائی دی گئی اور وہ قید خانے پہنچا دیا گیا۔ اس وقت قوم نے اطمینان کی سانس لی، اس وقت قوم نے۔ اس قوم نے جس کے پاس اب تک انسانیت کا کچھ بقایا ہے۔ اس قوم نے جو رحم دل ہے کیونکہ وہ محسوس کرتی ہے کہ وہ خود مختار اور حاکم ہے۔ ہاں اُس قوم نے خیال کیا کہ قیدی کی گلوخلاصی ہو گئی۔

"لیکن نہیں، گلوخلاصی؟ ہرگز نہیں! بلاشبہ گلوٹین کو اس وقت شکست ہوتی لیکن وہ بدستور سربلند کھڑی رہی! اسی وقت نہیں، وہ ہر روز سربلند کھڑی ہے۔ تمام انسانوں کی آنکھوں کے سامنے، ان کی مرضی کے خلاف کھڑی ہے!"

"پھر کیا ہوا؟ شام کو جلاد قیدی پر ٹوٹ پڑے۔ اُسے رسیوں اور زنجیروں سے اس طرح باندھا کہ ایک بے حس و حرکت لاش بن گیا۔ اندھیرے میں اسے میدان میں لوٹا لائے وہ اب بھی چلاتا تھا، روتا تھا، خدا کو پکارتا تھا۔ اپنے ماں باپ کو پکارتا تھا۔ زندگی کی دعائیں مانگتا تھا۔ مگر؟ مگر انہوں کا منہ بند کر دیا گیا۔ اسے گلوٹین پر چڑھا دیا گیا۔ آہ! اس کے بعد؟ ایک خونچکاں سر، زمین پر پڑا تھا! اس وقت انسانیت۔ فرطِ تاثر سے تھرّا اٹھی۔ قوم کے بدن میں رعشہ پڑ گیا۔ کیونکہ قانون کے نام پر کبھی کوئی قتل اس قتل سے زیادہ مکروہ اور کمینہ نہیں ہوا تھا۔ اس وقت ہر انسان نے عمیق تاثر کے ساتھ محسوس کیا کہ وحشت و بربریت نے انسانیت کی پوری توہین اور نیکی کی پوری تذلیل کی ہے!

"عین اس وقت ایک مردِ خدا، ایک نوجوان اپنے دل کی گہرائیوں سے چلا اٹھا۔ یہ چیخ اس کی روح کی چیخ تھی، شفقت کی چیخ، رنج و الم کی چیخ، رعب و ہیبت کی چیخ۔ وہ چیخ جو انسانیت نے بے چین ہو کر بلند کی تھی لیکن یہ چیخ تمہاری نظر میں جرم ہے، اور تم اس پر سزا دینے کی تیاریاں کر رہے ہو!

"یہ تمام واقعات سن کر، یہ تمام جاں گسل تفصیلات سن کر اے حضرات! آپ بادب گلوٹین سے کہیں گے "تو حق پر ہے" اور تیوری بڑھا کر رحم سے، مقدس رحم سے کہیں گے۔ "تو مجرم ہے!"

"لیکن نہیں اے حضرات! یہ ناممکن ہے۔ میں کہتا ہوں ناممکن ہے!"

"محترم سرکاری وکیل! میں بغیر کسی تلخی کے کہتا ہوں کہ تم کسی حق کی مدافعت نہیں کر رہے ہو۔ تم غلطی پر ہو تم مدنیت

(باقی صفحہ ۵ پر)

گارمنٹس کارپوریشن کو بند نہ کیا جائے

پاکستان گارمنٹس کارپوریشن جو کہ عوام کیلئے سستے سلے سلائے اور اچھے لباس تیار کرنے کا ادارہ ہے کو بند کرنے کا فیصلہ ہو گیا ہے وفاقی حکومت کا یہ اقدام سینکڑوں خاندانوں کے معاشی قتل کے مترادف ہے کئی اور منصوبوں کی طرح عوام کی فلاح و بہبود کا یہ ادارہ بھی افسر شاہی کی غلط اور ناقص منصوبہ بندی اور انتہائی لوٹ کھسوٹ کی بھینٹ چڑھ گیا خطا واروں کی سزا اب بے چارے غریب بے خطا کارکنوں کو دی جا رہی ہے۔

اس سلسلے میں پاکستان گارمنٹس کارپوریشن ایمپلائز یونین کا ایک ہنگامی اجلاس زیر صدارت خالد محمود منعقد ہوا جس میں یونین کے عہدے داروں نے کارپوریشن کو بند کرنے کے فیصلہ پر کڑی تنقید کی انہوں نے الزام لگایا کہ کارپوریشن کو ختم کرنے کے منصوبہ کے پیچھے درحقیقت پاکستان گارمنٹس کارپوریشن کی کروڑوں روپے کی مشینری (درآمد شدہ) کو اونے پونے داموں فروخت کر کے کمیشن حاصل کرنے کی سازش معلوم ہوتی ہے اجلاس میں تجویز پیش کی گئی کہ اگر وزارتِ صنعت کی نا اہل افسر شاہی اس منصوبہ کو تکمیل تک پہنچانے میں ناکام ہے تو کارپوریشن کا انتظام کارکنوں کے سپرد کر دیا جائے ورکرز اس ادارہ کو منافع پر چلانے اور تکمیل تک پہنچانے کی ضمانت دے سکتے ہیں کوئی وجہ نہیں کہ گارمنٹس کارپوریشن کو منافع بخش طریقہ پر نہ چلایا جا سکے پاکستان میں بے شمار دیگر گارمنٹس تیار کرنے والے ادارے انتہائی منافع بخش طریقے پر چل رہے ہیں پبلک سیکٹر کے اس ادارہ کو بند کرنے کی باقاعدہ سازش کی گئی ہے تاکہ گارمنٹس کی صنعت میں پرائیویٹ سیکٹر کی مکمل اجارہ داری قائم کی جائے جبکہ پاکستان بھر میں یہ واحد گارمنٹس کارپوریشن ہی ہے جو کہ عوام کو پرائیویٹ سیکٹر کی نسبت انتہائی کم داموں پر سلے سلائے شلوار قمیص فراہم کرتی رہی ہے اجلاس میں حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ عوام کی فلاح و بہبود کے اس ادارہ کو بند کرنے کے فیصلہ پر نظر ثانی کی جائے اور گارمنٹس کارپوریشن کو بند نہ کیا جائے کیونکہ پہلے ہی ملک میں بے انتہا بے روزگاری ہے اس کے بند کر دینے سے سینکڑوں محنت کش فاقہ کشی کا شکار ہو جائیں گے۔

وفاقِ پاکستان

چھوٹے صوبے اور بد اعتمادی

ایف اے تک تعلیم مفت کی جائے

این ایس ایف لاہور کا کنونشن ——— نمائندہ خصوصی

۲۲ جنوری کو لاہور کے بیبر ہال میں نیشنل سٹوڈنٹس فیڈریشن لاہور کا کنونشن منعقد ہوا۔ کنونشن میں لاہور کے مختلف کالجوں اور پنجاب یونیورسٹی کے سینکڑوں طلباء اور طالبات نے پورے جوش و خروش سے حصہ لیا۔ صدارت این۔ ایس۔ ایف پنجاب کے صدر مسٹر سیف اللہ سیف نے کی کنونشن کے مہمان خصوصی ایمنیک اور پی ایف یو جے کے سربراہ مسٹر منہاج برنا تھے لیکن کراچی میں ان کے خلاف قائم کئے گئے فوجداری مقدمہ میں پیشی کے سبب وہ شرکت نہ کر سکے اور ان کا تحریری پیغام ایمنیک کی قومی مجلس عاملہ کے رکن مسٹر ممتاز احسن نے پڑھ کر سنایا کنونشن سے قومی محاذ آزادی لاہور کے کنوینر مسٹر ارشد بٹ طالب علم راہنماؤں وسیع اللہ۔ عبدالسلام عارف۔ حافظ عبدالودود۔ احمد علی بٹ۔ شاہد سعید۔ شکور احمد۔ مقبول اعوان آنسہ راشدہ علی۔ شیخ سید ایوب، عبداللہ سلیم، ضیاء باجوہ کامریڈ طارق، عفاف انقلابی اور مزدور راہنماؤں الطاف حسین اور ریاض لون نے خطاب کیا۔ جناب منہاج برنا کے علاوہ کنونشن میں قومی محاذ آزادی کے کنوینر جناب معراج محمد خان اسیر مزدور راہنما بشیر ظفر اسیر طالب علم راہنما جناب جان عالم کے پیغامات بھی پڑھ کر سنائے گئے کنونشن میں این ایس ایف لاہور کی گزشتہ سال کی رپورٹ پیش کی گئی اور چودہ قرار دادیں متفقہ طور پر منظور کی گئیں۔ چونکہ طالب علموں کی بھاری تعداد نے ان قرار دادوں کے ذریعے اپنے موقف کا اظہار کیا ہے۔ اس لئے ان کی اہمیت کے پیش نظر قرار دادوں کا متن پیش کیا جا رہا ہے۔

این ایس ایف لاہور کا یہ کنونشن مارشل لاء کے نفاذ کو ملک کے مفاد کے منافی سمجھتا ہے غیر نمائندہ حکومت کی وجہ سے ملک کے سماجی اور اقتصادی مسائل میں اضافہ ہوا ہے عوام کے مسائل حل ہونے کی بجائے پیچیدگی اختیار کرتے جا رہے ہیں نام نہاد سول کابینہ نے حالات کو سنگین تر بنا دیا ہے دراصل عوام کو غیر نمائندہ حکومت پر قطعاً اعتماد نہیں عوام کے اعتماد پر قائم ہونے والی حکومت ہی عوام کی تائید و حمایت حاصل کر سکتی ہے اور ملک و عوام کے مسائل حل کرنے کی بہ طریق احسن کوشش کر سکتی ہے۔ مارشل لاء عدالتوں، نا اہلی کے ٹربیونلوں اور نام نہاد احتساب نے عوام کی بے چینی میں شدت پیدا کر دی ہے ان حالات میں یہ اجلاس مطالبہ کرتا ہے کہ فی الفور عام انتخابات کی حتمی تاریخ مقرر کر کے غیر جانبدارانہ انتخابات کرائے جائیں اور اقتدار منتخب نمائندوں کے سپرد کیا جائے حالیہ ترمیم شدہ پولیٹیکل پارٹیز ایکٹ منسوخ کیا جائے مارشل لاء عدالتیں اور نا اہلی کے ٹربیونل ختم کئے جائیں۔

کنونشن چھوٹے صوبوں کے احساس محرومی کو شدت

سے محسوس کرتا ہے۔ چھوٹے صوبے شروع دن ہی سے عدم توجہ اور ظلم کا شکار رہے ہیں پنجاب اور کراچی کے اجارہ دار طبقوں اور بیوروکریسی نے ریاست پر قبضہ کرکے قومیتوں اور چھوٹے صوبوں کے حقوق کو پامال کیا ہے کیونکہ قومیتوں کے حقوق تسلیم کرنے اور صوبائی خودمختاری دینے سے پنجاب و کراچی کے اجارہ دار طبقوں اور بیوروکریسی کے مفادات کو دھچکا پہنچتا ہے نہ صرف چھوٹے صوبوں کے حقوق سلب کیے گئے بلکہ آوازِ احتجاج بلند کرنے پر فوج کشی کی گئی آج صورت حال اتنی نازک ہے کہ چھوٹے صوبوں کے عوام کا وفاق پاکستان پر اعتماد اٹھتا جا رہا ہے۔ این ایس ایف لاہور اس حقیقت کو تسلیم کرتی ہے کہ پاکستان چار قومیتوں کے رضاکارانہ اتحاد اور وفاق کا نام ہے وفاق پاکستان میں ان کی برابر کی شرکت اور اختیارات کی تقسیم ہی سے وفاق پاکستان کو بچایا جا سکتا ہے نام نہاد مضبوط مرکز سے ماضی میں پاکستان کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا ہے۔ یہ اجلاس مطالبہ کرتا ہے کہ قومیتوں کے حقوق تسلیم کئے جائیں صوبائی خودمختاری کے اصول کو تسلیم کیا جائے چھوٹے صوبوں کے ذرائع ان کے عوام کی ترقی کے لئے صرف کئے جائیں اور صوبائی نابرابری کی تمام شکلیں ختم کی جائیں۔

اجلاس ایرانی عوام کی جد وجہد کو جمہوریت آزادی اور انقلاب کی فتح سمجھتا ہے اور ایرانی عوام کو سرخ سلام پیش کرتا ہے۔ یہ اجلاس افغان انقلاب کے خلاف رجعت پسند عناصر کے پروپیگنڈہ کی شدید مذمت کرتا ہے اور اسے امریکی سامراج کے خلاف فتح و نصرت کا نشان تصور کرتا ہے

پاکستان کی خارجہ پالیسی ہمیشہ جانب داری پر استوار رہی ہے اور امریکی سامراج کے ساتھ وابستہ رہی ہے دفاعی اور اقتصادی اعتبار سے پاکستان امریکہ کا دست نگر رہا ہے اور سینٹو اور دیگر معاہدات میں بندھا رہا۔ تاریخ اور واقعات ان حقائق کے شاہد ہیں کہ جب بھی پاکستان کی سالمیت کو خطرات لاحق ہوئے یہ دفاعی معاہدے کاغذ کا ایک بے جان پرزہ ثابت ہوئے

خواتین یونیورسٹیوں کے قیام سے آزادیٔ نسواں سلب ہو جائے گی

اجلاس سنٹو سے علیحدگی اختیار کرنے اور غیر جانبدارانہ اور آزاد خارجہ پالیسی اختیار کرنے کا مطالبہ کرتا ہے یہ اجلاس اشیائے صرف کی قیمتوں پر کنٹرول اور مہنگائی کے تناسب سے تنخواہوں میں اضافہ کرنے کا مطالبہ کرتا ہے۔ یہ اجلاس مزدوروں کی برطرفیاں۔ چھانٹیاں تالہ بندیاں اور انتقامی کارروائیاں بند کرنے کا مطالبہ کرتا ہے یہ اجلاس مطالبہ کرتا ہے کہ کالونی ٹیکسٹائل ملز ملتان کے مزدوروں کے قاتلوں کے خلاف فی الفور مقدمہ چلایا جائے اور انہیں قرار واقعی سزا دی جائے۔

اجلاس تحریر و تقریر اجتماع اور بنیادی جمہوری حقوق پر پابندیوں کی مذمت کرتا ہے پریس سنسر شپ اور دیگر کالے قوانین کے نفاذ سے عوام گھٹن کی فضا میں مقید ہیں۔ مخصوص نقطہ نظر رکھنے والی سیاسی جماعتوں کو ہر قسم کے پروپیگنڈہ کرنے کے مواقع فراہم کئے جا رہے ہیں جبکہ حکومت کی مخالف سیاسی جماعتوں کے لئے اخبارات۔ ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے دروازے بند ہیں ایک مخصوص جماعت کے سیاسی نظریات سے متفق نہ ہونے والے دانشوروں ادیبوں اور شاعروں کے لئے عرصہ حیات تنگ کیا جا رہا ہے۔ یہ اجلاس مطالبہ کرتا ہے کہ تمام کالے قوانین منسوخ کئے جائیں حکومت مخالف اخبارات و جرائد پر سنسر شپ ختم کی جائیں مزدوروں کے ٹریڈ یونین حقوق بحال کئے جائیں قائد صحافت منہاج برنا سمیت پی پی ایل سے برطرف شدہ صحافیوں اور ٹی وی کے برطرف ملازمین کو ملازمتوں پر بحال کیا جائے۔

کنونشن کوڑوں کی غیر انسانی سزاؤں سیاسی کارکنوں طلباء مزدوروں۔ ہاریوں اور دانشوروں کی وسیع پیمانے پر گرفتاریوں پر شدید احتجاج کرتا ہے۔ سیاسی کارکنوں کو کوڑے لگانا نہ صرف ناانصافی ہے بلکہ یہ بربریت پر مبنی غیر انسانی سزا ہے جس سے پوری دنیا میں پاکستان کی بدنامی ہوئی ہے۔ تہذیب یافتہ اور جمہوری معاشرے میں ایسی وحشیانہ سزاؤں کا تصور ممکن نہیں۔ یہ اجلاس کوڑوں کی سزا کی فی الفور منسوخی این ایس ایف لاہور کے راہنما خواجہ رشید انجم مزدور راہنما بشیر ظفر لقمان مرزا غفار خان جاپانی عالم معروف صحافی حسین نقی اور خالد چوہدری کی اور تمام گرفتار شدہ سیاسی کارکنوں طلباء مزدوروں کسانوں اور دانشوروں کی رہائی کا مطالبہ کرتا ہے۔

کنونشن حکومت کے اقلیتوں کی جانب رویے کو ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتا ہے جداگانہ طریقہ انتخاب سے غیر مسلم اقلیتوں کو دوسرے درجے کا شہری بنایا جا رہا ہے۔ جس سے غیر مسلم اقلیتیں عدم تحفظ کا شکار ہو گئیں ہیں مذہبی جنون میں مبتلا مٹھی بھر عناصر ایسی پالیسیوں سے اپنے پاکستان دشمن عزائم کی تکمیل چاہتے ہیں اجلاس غیر مسلم اقلیتوں کے حقوق و مطالبات کی حمایت کرتا ہے اور انہیں پاکستان کا باوقار شہری سمجھتا ہے اور مطالبہ کرتا ہے کہ جداگانہ طریقہ انتخاب کی پالیسی ترک کی جائے اور ۱۹۷۳ء کے آئین کی بنیاد پر مخلوط انتخاب کرایا جائے۔

کنونشن سپریم کورٹ۔ ہائی کورٹس کی موجودگی میں شریعت

ہجوں کے قیام پر حیرت کا اظہار کرتا ہے قوانین کو اعلیٰ عدالتوں کے دائرہ اختیار سے نکالنے سے پیچیدگیاں بڑھیں گی۔ اور اعلیٰ عدالتوں کی آئین و قانون کی بالادستی برقرار رکھنے کی حیثیت متاثر ہوگی قوانین کے اسلامی یا غیر اسلامی ہونے کی جانچ پڑتال اور ان کے صحیح یا غلط قرار دینے کا اختیار صرف اعلیٰ عدالتوں کو حاصل ہونا چاہیئے دوسری صورت میں عدلیہ کی خود مختاری اور آزادی متاثر ہوگی یہ اجلاس مطالبہ کرتا ہے کہ شریعت بنچوں کے قیام کا فیصلہ منسوخ کیا جائے۔

کنونشن جماعت اسلامی کی بغل بچہ تنظیم اسلامی جمعیت طلباء کی تعلیمی اداروں میں بڑھتی ہوئی غنڈہ گردی کی پر زور مذمت کرتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ تعلیمی اداروں میں تعلیمی فضا کو خراب کرنے ملک میں انتشار پھیلانے کے لئے ایسا کیا جارہا ہے اور انتظامیہ کو خبردار کرتا ہے کہ اگر اس کا سدباب نہ کیا گیا تو تباہ کن نتائج برآمد ہوں گے جس کی تمام ذمہ داری موجودہ حکمرانوں پر عائد ہوگی۔

این ایس ایف کا یہ کنونشن مطالبہ کرتا ہے کہ ملک میں نظام تعلیم غیر طبقاتی بنیادوں پر استوار کیا جائے تاکہ ملک کا ہر نوجوان تعلیم کے زیور سے آراستہ ہو سکے ایک غیر طبقاتی نظام تعلیم ہی کے ذریعے طلباء صحیح طرح سے تعلیم حاصل کر سکیں گے تعلیم کو جدید سائنسی بنیادوں پر مرتب کیا جائے تاکہ ملک میں اچھے انجینئر ڈاکٹر فلاسفر اور مفکر پیدا ہو سکیں ملک میں ذریعہ تعلیم اردو اور مقامی علاقائی زبانوں کو بنایا جائے تاکہ طلباء آسانی سے تعلیم حاصل کر سکیں۔

طلباء کو ٹرانسپورٹ کی سہولتیں فراہم کی جائیں فیسوں کمی کی جائے ایف اے تک تعلیم کو مفت کیا جائے لائبریوں میں کتب اور سائنس کے طلباء کے لئے سائینٹفک آلات فراہم کئے جائیں میڈیکل کالجوں میں داخلہ اہلیت کی بنیاد پر دیا جائے ریلوے میں کرایہ کی رعایت شناختی کارڈ پر دی جائے خواتین کی علیحدہ یونیورسٹیاں قائم کرنے کی بجائے تعلیم کو مخلوط بنایا جائے تاکہ خواتین میں خود اعتمادی پیدا ہو سکے خواتین کی علیحدہ یونیورسٹیاں بنانے سے خواتین کی آزادی سلب ہوگی اور ان میں کمتری کا احساس پیدا ہوگا۔ ایل ایل بی کے کورس کو تین سالہ کرنے کی بجائے دو سال کا رہنے دیا جائے سمر کی فیسوں میں کمی کی جائے تعلیم کے بعد روزگار مہیا کیا جائے سندھ کے تعلیمی ادارے کھولے جائیں۔

گجرات

میاں محمد شریف زاہد

انتخابات نہ ہوئے تو صوبے وفاق سے الگ ہو جائیں گے: رامے

ٹرانسپورٹ کے محنت کشوں کو پنشن کے حقوق دیئے جائیں

**

حنیف رامے پاکستان مساوات پارٹی کی حیثیت سے پہلی بار گذشتہ دنوں گجرات تشریف لائے۔ ان کے آگے پیچھے چمکتی دمکتی کاریں نظر آئیں جن میں کچھ نئے چہرے اور زیادہ تر پیپلز پارٹی سے تعلق رکھنے والے لوگوں کے چہرے نظر آرہے تھے مسلم لیگ اور این ڈی پی اور دیگر سیاسی جماعتوں کے کارکنوں اور رہنماؤں کو بھی حنیف رامے کے گرد منڈلاتے ہوئے دیکھا گیا۔ سابق قائد حزب اختلاف پنجاب اسمبلی چوہدری امان اللہ لک سابق ایم این اے اور پاکستان پیپلز پارٹی کے ایک رہنما این ڈی پی ضلع گجرات کے سابق کنوینر سید باقر حسین رضوی پاکستان مسلم لبرل پارٹی ضلع گجرات کے کنوینر راجہ محمد انور ایڈووکیٹ بھی رامے صاحب سے ملاقات کرنے والوں میں سے تھے حنیف رامے نے سب سے پہلے مقامی بار ایسوسی ایشن سے خطاب کیا۔ انہوں نے اپنی تقریر میں کہا کہ صرف تعزیرات کا نفاذ اسلام نہیں ہے بلکہ اسلام میں معاشی عدل وانصاف اور اقتصادی مسائل کا حل بھی موجود ہے انہوں نے صدر جنرل محمد ضیاء الحق سے مطالبہ کیا کہ فوری طور پر الیکشن کروا کر اقتدار عوام کے منتخب نمائندوں کے سپرد کیا جائے۔ کیونکہ خود صدر نے کہا تھا کہ ہم برسر اقتدار نہیں رہنا چاہتے حنیف رامے نے کہا کہ عوام کی مشکلات ایک منتخب حکومت ہی حل کر سکتی ہے

انہوں نے کہا کہ آج صوبے خود مختاری مانگ رہے ہیں۔ لیکن اس میں حرج ہی کیا ہے کہ انہیں ۱۹۷۳ء کے آئین کے مطابق خود مختاری دی جائے انہوں نے کہا کہ ہمارے جلسوں میں سوچے سمجھے منصوبوں اور اسکیموں سے ہنگامے کرائے جاتے ہیں اور یہ ہنگامہ آرائی صرف الیکشن ملتوی کرانے کے لئے ہو رہی ہے۔ انہوں نے کہا کہ بلوچستان والے علیحدہ نیشنل فرنٹ بنا رہے ہیں انہیں ایسا نہیں کرنا چاہیئے ہم بھی آپ کے بھائی ہیں لہٰذا انہیں چاہیئے کہ پنجابیوں کے ساتھ مل کر مشترکہ جدوجہد کر کے ملک بھر کے پسے ہوئے عوام کے حقوق و مفادات کے لئے جدوجہد کریں۔

انہوں نے اس خدشے کا اظہار کیا کہ اگر انتخابات وقت پر نہ ہوئے تو ہو سکتا ہے کہ صوبے علیحدہ علیحدہ ہو جائیں اور ملک و قوم کو ایک عظیم سانحے کا سامنا کرنا پڑے اس لئے ملک و قوم کا مفاد اسی میں ہے کہ انتخابات فی الفور کرائے جائیں انہوں نے واشگاف الفاظ میں کہا کہ ہم کسی مخصوص جماعت کا اسلامی نظام برداشت نہیں کریں گے جو صرف ان کے مخصوص نظریات کی ترجمانی کرتا ہو اور کسی بھی صورت میں اسلام کے ساتھ مذاق نہیں کرنے دیں گے انہوں نے دعویٰ کیا کہ اسلام نے سوشلزم اور کمیونزم سے زیادہ غریبوں کی حمایت کی ہے اور غریبوں کا ہر طرح سے تحفظ کیا ہے اس لئے جو جماعتیں صرف تعزیرات کو اسلام سمجھتی ہیں وہ جماعتیں اسلام دشمن

ہیں انہوں نے کہا کہ آج کے دور میں جب کہ دنیا میں شہنشاہیت کے بت پاش پاش ہو رہے ہیں ہمیں حالات سے سبق حاصل کرنا چاہیئے انہوں نے کہا وہ دن دور نہیں جب کہ یہاں لوک راج آئے گا مظلوم عوام خوشحال ہوں گے اور ظالم طبقات اپنے کیفرِ کردار تک پہنچیں گے۔

اس موقع پر رانا محمد اسحاق ایڈووکیٹ، محمد منیر گوندل چوہدری محمد اسلم۔ چوہدری محمد ریاض۔ گلزار ظفر، جاوید اختر، رشید احمد۔ چوہدری غلام رسول۔ چوہدری نسیم۔ چوہدری محمد طفیل، اصغر علی۔ محمد یوسف، محمد شریف، ظہیر الدین، عبد الرب صدیقی، مبارک احمد اور راجہ محمد انور ایڈووکیٹ نے اپنے ساتھیوں سمیت مساوات پارٹی میں شمولیت کا اعلان کیا اور پاکستان بار کونسل کے رکن مفتی بشارت احمد ایڈووکیٹ۔ سید باقر رضوی، راحت ملک۔ عبد اللطیف بٹ۔ لطیف بھٹی۔ راجہ محمد افضل۔ مقبول الٰہی بٹ، بدر سلام گورنمنٹ زمیندار ڈگری کالج کی سٹوڈنٹس یونین کے جنرل سکریٹری آفتاب ملک نائب صدر اسد عباس اور راجہ محمد انور نے بھی خطاب کیا اس کے بعد نشیمن ہوٹل میں دال روٹی کھا کر مساوات پارٹی کا قافلہ رنگ برنگی کاروں میں لاہور روانہ ہو گیا

جی ٹی ایس مزدور یونین کے انتخابات میں درج ذیل عہدیدار کامیاب ہوئے ہیں۔ محمد صابر جہلمی صدر، مرزا ریاض بیگ سینئر نائب صدر۔ خوشی محمد نائب صدر، چوہدری غلام رسول جنرل سکریٹری، محمود حسن جائنٹ سکریٹری۔ محمد شفیع ملک سکریٹری محمد حنیف شاہ سکریٹری اطلاعات، چوہدری محمد حیات خزانچی، عبد السلام پریس سکریٹری، عبد الحکیم طاہر آفس سکریٹری، مجلس عاملہ میں چوہدری محمد نذیر گکھڑوی جلال خان بابا۔ محمد لطیف بٹ، محمد بشیر چوہدری محمد فضل، الطاف حسین ڈوگر، محمد انور بٹ شامل ہیں بعد میں یونین کا ایک اجلاس نومنتخب صدر محمد صابر جہلمی کی صدارت میں ہوا جس میں جی ٹی ایس کی انتظامیہ سے مطالبہ کیا گیا کہ ورکشاپ سٹاف کے لئے گرم جرسیاں۔ ٹریفک سٹاف اور کلریکل سٹاف کے لئے گرم کوٹ مہیا کئے جائیں۔ لال جنرل سٹینڈ کے لئے سٹاف روم کا بندوبست کیا جائے۔ پنجاب روڈ ٹرانسپورٹ بورڈ کے ورکرز کو پنشن کے حقوق دیئے جائیں۔ دوران ڈیوٹی حادثہ کا شکار ہونے والے ورکرز کو علاج کی مکمل سہولتیں دی جائیں اور زیرِ علاج عرصہ کی مکمل تنخواہ دی جائے

حالیہ ملک گیر گرفتاریوں سے قبل پاکستان پیپلز پارٹی ضلع گجرات کی ورکنگ کمیٹی کا ایک خاص اجلاس اس کے صدر چوہدری ظفر مہدی کی صدارت میں ان کی رہائش گاہ پر ہوا جس میں پیپلز پارٹی پنجاب کے قائم مقام صدر اسلم گورداسپوری، جنرل سکریٹری رائے حفیظ اللہ طارق اور سکریٹری اطلاعات فیصل آباد حبیب اللہ قمر نے خصوصی دعوت پر شرکت کی۔ ضلع بھر کے سابق اراکین قومی اسمبلی میاں مشتاق حسین پگانوالہ۔ الحاج غلام رسول تارڑ، حکیم سردار خان رانا گلزار احمد۔ سابق اراکین پنجاب اسمبلی میاں افضل حیات چوہدری محمد زمان، چوہدری محمد حیات، چوہدری نواب خان تارڑ، ڈاکٹر سید جواد حسین رضوی۔ سابق سینیٹر چوہدری محمد اسلم۔ ضلع بھر کے رہنماؤں شیخ حفیظ اللہ صدیقی، چوہدری ریاض احمد ڈار، چوہدری ارشاد احمد، شریف بٹ۔ جہانگیر محمود جیمہ، میاں اسلم حیات چوہدری رحم داد، اکبر اعوان۔ چوہدری محمد اقبال فتح پوری، ملک اللہ دتہ اور سید زبیر حسین شاہ بخاری نے شرکت کی۔

پاکستان پیپلز پارٹی پنجاب کے قائم مقام صدر اسلم گورداسپوری نے ورکنگ کمیٹی کے اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ تاریخ اپنا انداز بدل رہی ہے۔ ایک زمانہ تھا جب تاریخ افراد کی زندگی کے بعد رقم کی جاتی تھی، اب تاریخ افراد کی زندگی میں ہی تحریر کی جاتی ہے عوامی جمہوریہ چین کے عظیم رہنما چیئرمین ماؤزے تنگ کی تاریخ ان کی زندگی ہی میں مکمل ہو گئی اور اسی طرح اسلامی جمہوریہ پاکستان کے عوام کے قائد چیئرمین جناب ذوالفقار علی بھٹو کی تاریخ ان کی حیات میں ہی لکھی جا چکی ہے انہوں نے کہا کہ چیئرمین بھٹو عوام کی انقلابی سیاست کا آئینہ اور ملک کی سالمیت وحدت اور بقا کی کڑی ہیں انہوں نے کہا کہ پیپلز پارٹی صرف ایک سیاسی جماعت کا نام نہیں بلکہ یہ عوام کے تاریخی شعور کی علامت بن چکی ہے اس وقت پاکستان پیپلز پارٹی ایشیا میں سامراج کے خلاف سب سے بڑی جنگ لڑ رہی ہے اور برصغیر کی سیاسی تاریخ کا شعور اس جماعت کا مثالی طرزِ عمل بجا طور پر انفرادیت کا حامل ہے۔ انہوں نے معاہدہ شملہ کے بارے میں ایک وفاقی وزیر کے بیان پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ چیئرمین بھٹو نے معاہدہ شملہ کے ذریعے ۹۰ ہزار قیدی رہا کرائے اور ۵ ہزار مربع میل علاقہ واپس دلایا۔ انہوں نے کہا کہ آج بھارتی وزیر خارجہ کو پارلیمنٹ میں یہ دھمکی دینے کی جرأت ہو رہی ہے کہ اگر کشمیر کا نام لیا تو تمہیں انگاروں سے کھیلنا ہوگا۔ بھارتی وزیر جنگ ہمیں مشرقی پاکستان کا انجام سامنے رکھنے کی تلقین کر رہے ہیں۔ اسلم گورداسپوری نے کہا کہ چودھویں صدی کا ملاں چاہتا ہے کہ ملک میں قوم کی حاکمیت کی بجائے افراد کی حاکمیت قائم ہو وہ لوگوں کو اپنی رائے کے اظہار کے حق سے محروم کرنا چاہتا ہے صالحین کی اس جنگ میں صرف ذوالفقار علی بھٹو ہی نہیں بلکہ پوری قوم فریق ہے انہوں نے مطالبہ کیا کہ ملک میں فی الفور عام انتخابات کرائے جائیں اور چیئرمین بھٹو کو رہا کیا جائے۔

جنرل سکریٹری رائے حفیظ اللہ طارق نے اپنی تقریر میں کہا کہ کل بھی غریب عوام جیتے تھے اور آئندہ بھی غریب عوام جیتیں گے انہوں نے کہا کہ اگر ۱۹۷۹ء انتخابات کا سال ہے تو پھر سیاسی سرگرمیوں پر پابندی ختم کیوں نہیں کی جاتی، انہوں نے کہا کہ پورے ملک کے عوام چیئرمین بھٹو کے ساتھ ہیں اور حکومت اسی کی ہوتی ہے جو دلوں پر حکومت کرتا ہے۔ بظاہر قائد عوام بھٹو جیل کی کال کوٹھری میں پڑے ہوتے ہیں لیکن حقیقت میں وہ یہاں کے مظلوم عوام کے دلوں پر حکمرانی کر رہے ہیں، انہوں نے کہا کہ برصغیر کے مسلمان جب قائد اعظم محمد علی جناح کی قیادت میں قیام پاکستان کی جدوجہد کر رہے تھے تو انہی لوگوں نے قائد اعظم کی مخالفت کی تھی جو آج اقتدار میں چور دروازوں سے داخل ہو کر ہماری مخالفت کر رہے ہیں۔ اسی طرح یہ پرانے چہرے نیا روپ دھار کر پاکستان کے غریب عوام اور چیئرمین ذوالفقار علی بھٹو کی مخالفت کر رہے ہیں۔ یہ لوگ اب اسلام کا نعرہ لے کر سامنے آئے ہیں لیکن اہل پاکستان ان سے اچھی طرح واقف ہیں۔

قرارداد کے ذریعے حکومت پر زور دیا گیا کہ ملک کے داخلی بحران اور پیچیدہ بین الاقوامی صورتِ حال کے پیشِ نظر جمہوریت کی بحالی کا اہتمام کیا جائے۔ موجودہ غیر نمائندہ سول کابینہ توڑ دی جائے۔ سیاسی سرگرمیاں بحال کی جائیں اور مارچ تک عام انتخابات کرائے جائیں، قرطاس ابیض سے متعلق ایک قرارداد میں پیپلز پارٹی کے تاریخی کردار کو مسخ کرنے کی اس کوشش کو قومی دولت کا ضیاع قرار دیا گیا۔ قرارداد میں کہا گیا ہے کہ عوام جانتے ہیں کہ پیپلز پارٹی اور قائد عوام کی کردار کشی کی مہم کے پیچھے کیا محرکات کارفرما ہیں۔ قرارداد میں حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ اگر اس میں حقائق کو سننے اور برداشت کرنے کا حوصلہ ہے تو وہ چیئرمین بھٹو یا بیگم بھٹو کو جواب کے لئے ٹی وی اور ریڈیو پر وقت دیا جائے۔ بعض اخبارات و جرائد پر سنسر کی پابندی سے متعلق ایک قرارداد میں کہا گیا کہ اختلافی نقطۂ نظر رکھنے والے جرائد پر سنسر کی پابندی حق و انصاف کے تقاضوں کے منافی ہے حکومت پر زور دیا گیا کہ ویوپوائنٹ، مساوات، حیات، تعمیر، صداقت۔ دھنک سمیت تمام اخبارات و جرائد پر سے سنسر کی پابندی ختم کی جائے۔ چیئرمین بھٹو سمیت تمام گرفتار شدہ طلباء، مزدور، کسان، صحافی اور سیاسی کارکنوں اور رہنماؤں کو فی الفور رہا کیا جائے۔

ظلم کی داستان

محمد ایوب

بیان پہ دستخط کر دو، ورنہ تمہاری لاش کا بھی پتہ نہ چلے گا

میں محمد ایوب ولد محمد اسماعیل، مذہب اسلام، قوم پاکستانی سابق ملازم روزنامہ آزاد لاہور بقائمی ہوش و حواس اپنے اوپر ہونے والے ظلم کی داستان بیان کرتا ہوں۔ میں خدا کو حاضر ناظر جان کر کہتا ہوں کہ جو کچھ کہوں گا سچ کہوں گا اور سچ کے سوا کچھ نہیں کہوں گا۔

میں ایپنک اور پی۔ ایف۔ یو۔ جے کی ایکشن کمیٹی کی اپیل پر آزادی صحافت اور تحفظ روزگار کی تحریک میں حصہ لینے کے لئے کراچی گیا اور ۱۵ اگست ۱۹۷۸ء کو اپنے ساتھیوں حسان سنگرامی روزنامہ مساوات کراچی، نور خاں (مزدور راہنما) اسماعیل داسی اور محمد سومار (سندھی ہاری کمیٹی) کے ہمراہ جب پُر اُمن طور پر گرفتاری پیش کرنے کے لئے ریگل چوک پہنچا تو وہاں پولیس کی بھاری جمعیت موجود تھی اور اُن کے ساتھ سادہ کپڑوں میں بھی بہت سے لوگ تھے ہمیں دیکھتے ہی یہ سب لوگ ہم پر ٹوٹ پڑے اور ہم پر سرِعام لاٹھیاں، ڈنڈے اور مکے برسانے لگے۔ اور پھر ہمیں مارتے پیٹتے جانوروں کی طرح پولیس کی گاڑی میں دھکیل دیا گیا پولیس ہمیں پریڈی تھانے لے گئی راستے بھر گاڑی میں بیٹھے ہوئے پولیس والے ہمیں گالیاں دیتے رہے۔ تھانے پہنچ کر انہوں نے ہمیں جان سے مار دینے کی دھمکیاں دیں اور یوں ہمیں ڈرانے اور خوفزدہ کرنے کی کوشش کی تھانے میں نام پتہ لکھنے کے بعد ہمیں حوالات میں بند کر دیا گیا۔ یہ ایک چھوٹا سا کمرہ تھا جس میں ہمارے علاوہ آٹھ نو آدمی تھے جنہیں مختلف الزامات میں پولیس نے پکڑ رکھا تھا۔ سارے میں سخت گندگی تھی اور ایک طرف کوڑے کا ڈھیر لگا تھا۔ اور اتنی بدبو تھی کہ سانس لینا بھی دشوار تھا۔ رات کو جب پریس کلب سے ایک اخباری کارکن ہمارے لئے کھانا لے کر آیا تو سپاہیوں نے اُسے واپس بھیج دیا۔ اگلے روز خدا خدا کر کے رات کو کھانے کے لئے کچھ ملا۔ ہمیں کسی عدالت میں پیش نہیں کیا گیا۔ رات کو ایم ایجنسی کا ایک افسر چند جوانوں کے ساتھ جو سادہ کپڑوں میں ملبوس تھے تھانے آیا اور ہمیں قہر آلود نظروں سے دیکھتے ہوئے اس نے ایک جوان کو جو سٹین گن سے مسلح تھا حکم دیا کہ ہماری آنکھوں پر پٹیاں باندھ دی جائیں حکم کی تعمیل ہوئی اور آنکھوں پر پٹیاں باندھنے کے بعد ہمیں ٹھوکریں مارتے ہوئے ایک جیپ میں ڈال دیا گیا اُس کے ساتھ ہی ہمیں حکم دیا گیا کہ جیپ میں بیٹھنے کی بجائے لیٹ جائیں اور اگر کسی نے حرکت کرنے

کی کوشش کی تو اس کی گردن توڑ دی جائے گی۔ سیٹوں کے درمیان جگہ کی کمی کے سبب مستقل طور پر جھکے رہنے سے کمر بازوں اور گردن میں شدید تکلیف محسوس ہو رہی تھی اور ذرا سا اوپر اٹھنے پر ساتھ بیٹھے جوان کہنیوں سے کمر پر اس زور کا ٹھوکا مارتے کہ ہم درد سے بلبلا اٹھتے۔ جیپ ہمیں کسی نامعلوم مقام کی طرف لے جا رہی تھی تھوڑی دیر بعد جیپ ایک بہت بڑی عمارت کے اندر جا کر رک گئی۔ یہ غالباً کوئی ہیڈکوارٹر تھا۔ ہمیں جیپ سے اتارا گیا۔ اور میرے اور دیگر ساتھیوں کے ہاتھ پاؤں زنجیروں سے باندھ دیئے گئے اور ہمیں ماں بہنوں کی غلیظ گالیاں دی گئیں جب میں نے اپنی آنکھ سے ذرا سی پٹی ہٹا کر دیکھنے کی کوشش کی تو میرے سر پر موجود ایک جوان نے مجھے فلائنگ کک ماری اور میں گر گیا۔ سنبھل کر اٹھا تو اس جوان نے کہا حرامزادے تم یہاں سے فرار ہونا چاہتے ہو۔ اور پھر بہت سارے ہاتھوں اور ٹانگوں نے میری پٹائی شروع کر دی وہ مجھے تقریباً پون گھنٹے تک مارتے رہے میں تپ دق کا مریض ہوں اس لئے زیادہ مار نہ سہہ سکا اور زمین پر گر گیا اور پھر مجھے ہوش نہ رہا جب ہوش آیا تو میں ایک کمرے میں تھا پھر ایک افسر کمرے میں داخل ہوا تو مجھے کھڑا کر دیا گیا۔ اس نے آتے ہی غصے میں کہا کہ میں تم سے جو سوال کروں گا اس کا صحیح جواب دینا ورنہ تمہیں ہم جان سے مار دیں گے اور تمہاری لاش بھی نہیں ملے گی۔ اس نے پہلا سوال کیا کہ تمہیں صحافیوں کی تحریک میں شامل ہونے کے لئے کتنے پیسے دیئے گئے ہیں؟ میں نے جواب دیا میں آزاد اخبار میں کام کرتا ہوں اور ایپنک اور پی۔ ایف۔ یو۔ جے ہماری ملک گیر تنظیمیں ہیں جو یہ تحریک چلا رہی ہیں مجھے کسی نے ایک پیسہ نہیں دیا میں تو اپنے دفتر سے ایک سو روپے ایڈوانس لے کر یہاں آیا ہوں میرا جواب سنتے ہی اس افسر کو طیش آ گیا اور اس نے جوانوں کو حکم دیا کہ اسے خوب مارو جوان مجھے ڈنڈوں اور بوٹوں سے مارنے لگے۔ یہ سلسلہ آدھ گھنٹے تک جاری رہا۔ ساتھ ہی افسر یہ کہتے ہوئے وہاں سے چلا گیا کہ اسے تمام رات کھڑا رکھنا۔ مار پیٹ سے میں پھر بے ہوش ہو گیا۔ جونہی مجھے ہوش آیا جوان مجھے مارنے لگے۔ وہ بار بار کہتے اگر تم درست جواب نہ دیا تو یہاں سے تمہاری لاش ہی جائے گی تمام رات مجھ پر تشدد ہوتا رہا تکلیف کی وجہ سے میں مسلسل چیخ و پکار کرتا رہا۔ مگر مسلح پہریداروں کے کان پر جوں تک نہ رینگی جب پیاس کی شدت سے مجبور ہو کر میں نے پانی مانگا تو مجھے ایک زبردست ٹھوکر ماری رات گئے وہ افسر پھر آیا اور اس نے پوچھا تمہیں ہوش آیا کہ نہیں جس کے جواب میں خاموش رہا۔ اس نے مجھے بتایا کہ اس نے تشدد کی ٹریننگ امریکہ سے حاصل کی ہوئی ہے اور وہ سب کچھ اگلوانا چاہتا اور اگر میں نے اصل حالات نہ بتائے تو مجھے تین سال اور بیس کوڑوں کی سزا دی جائے گی۔ اور میں خود اپنی موجودگی تمہیں شیرپاؤ گارڈن میں کوڑے لگواؤں گا۔ میں نے کہا آپ کی مرضی کریں لیکن مجھے نوقہ کسی نے پیسے دیئے ہیں اور نہ ہی کوئی اور لالچ۔ میں نے اپنی مرضی سے گرفتاری پیش کی ہے اور تنظیم کی خاطر میں بڑی سے بڑی قربانی دے سکتا ہوں اس پر اس افسر نے جناب منہاج برنا اور دیگر راہنماؤں کو فحش گالیاں دینی شروع کر دی میرا خون کھولنے لگا لیکن میں مجبور تھا۔ اس کے بعد اس افسر نے چمڑے کی پیٹی لے کر مجھے مارنا شروع کر دیا۔ پھر مجھے مرغا بنا دیا گیا اور حکم دیا کہ اسے تمام وقت مرغا بنائے رکھنا اوپر سے میری پیٹھ پر وقفے وقفے سے بوٹوں سے ٹھوکریں مارتے اور میں منہ کے بل گر پڑتا اور پھر میرے کان پکڑوا دیئے جاتے۔ اس رات ڈیوٹی پر موجود ایک جوان نے مجھے کہا کہ میں کیوں کتے کی موت مر رہا ہوں اس نے کہا کہ یہ شخص یہاں کا انچارج ہے اس نے تفتیش کے دوران کئی آدمیوں کو فنا کر دیا ہے بڑا ظالم آدمی ہے تم اس کی بات مان جاؤ اگلی صبح پھر وہی افسر کمرے میں آیا اور کہا کہ تم کیوں خواہ مخواہ مار کھا رہے ہو۔ ایک بیان پر دستخط کر یہ پیپلز پارٹی کی تحریک ہے تمہیں پارٹی نے پیسہ دیا اور یہ تحریک بیگم بھٹو چلا رہی ہے اور گرفتاری دینے والوں کو دس ہزار روپے دیا جاتا ہے اگر تم بیان لکھ دو تو میں تمہیں چھوڑ دوں گا اور تمہیں اچھی ملازمت بھی دلوا دوں گا میرے انکار پر اس نے میری آنکھوں پر پٹی باندھنے کا حکم دیا اور پھر مجھے گھسیٹتے ہوئے دوسرے کمرے میں لے گئے۔ اس کمرے میں تشدد کے مختلف آلات نصب تھے وہاں جا کر آنکھوں پر سے پٹی کھول دی گئی افسر نے تمام آلات دکھائے اور ایک ایک کی تفصیل بتائی اور پھر دھمکی دی کہ اگر تم نے ہماری بات نہ مانی تو ان آلات کے ذریعے تم پر تشدد کیا جائے گا مگر میں مسلسل انکار کرتا رہا۔ اس کے بعد انہوں نے میرے پاؤں میں زنجیریں ڈال کر مجھے الٹا لٹکا دیا اور میری پیٹھ پر چمڑے کا چھتر برسانے لگے۔ درد کی شدت سے میں بلبلاتا رہا۔ مگر میری آواز دیواروں سے ٹکرا کر واپس آ جاتی۔ مجھے یاد نہیں انہوں نے مجھے کتنی دیر تک اس طرح سے مارا جب مجھے ہوش آئی تو کمرے میں کوئی نہیں تھا اور میں زمین پر بے سدھ پڑا تھا اور ۱۷ اگست کو وہاں زاہد (روزنامہ دستور بہاولپور) اسماعیل داسی اور فتح محمد (لاڑکانہ ورکرز فیڈریشن) کو لایا گیا۔ ان کی شکلیں بتا رہی تھیں کہ ان پر بھی بے پناہ تشدد کیا گیا ہے۔ بعد ازاں ہم سب کی آنکھوں پر پٹیاں باندھ دی گئیں اور ہمیں دوبارہ ایک جیپ میں ڈال کر پریڈی تھانے لایا گیا چند دن بعد ہمیں ایک فوجی عدالت میں پیش کرنے کے بعد سنٹرل جیل کراچی بھیج دیا گیا جہاں ہماری تحریک کے سینکڑوں اسیران موجود تھے۔

دامنِ یوسف

حکیم سعید بھی ایک "وائٹ پیپر" تیار کر رہے ہیں

راوی

حکیم محمد سعید بھی اس عہد کی ایک نادر الوجود چیز ہیں۔ چڑیا گھر میں بھی رکھے جا سکتے ہیں اور عجائب گھر میں بھی دھرے جا سکتے ہیں۔ جہاں بھی پڑے ہوں گے "کمپنی کی مشہوری" کرتے رہیں گے۔ کہ یہی ان کا کام ہے، یہی ان کا منصب ہے اور یہی ان کا مقصدِ حیات ہے۔ "کمپنی کی مشہوری" کے لئے انہوں نے "شامِ ہمدرد" کا شہرۂ آفاق سلسلہ چلایا۔ اخبارات میں اشتہاروں کی صورت میں ہینگ اور پھٹکڑی نہ لگے اور "خبروں" کی شکل میں رنگ بھی چوکھا آئے۔ چنانچہ اس "شامِ ہمدرد" کے ذریعے اخبارات میں وہ "سپیس" مفت حاصل کی جس میں "نامو الحم" کا اشتہار دیتے یا "روح افزا" کی پبلسٹی کراتے تو کروڑوں کا خرچ اٹھتا۔ "کمپنی کی مشہوری" اور موسمی پھل کھانے کا شوق (ہم خرما و ہم ثواب) انہیں کشاں کشاں پیپلز پارٹی میں کھینچ لایا اور ۷۷ء کے انتخابات میں اسمبلی کا پارٹی ٹکٹ دلایا مگر ؏

تھیں بہت بے مہر صبحیں مہرباں راتوں کے بعد

اور انتخابات میں دھاندلی کا شور مچانے والے پی این اے اور خاص طور پر جماعت اسلامی کے صالح غنڈوں کی دھاندلی اور بدمعاشی کے ہاتھوں پٹ گئے اور شارک سکن کی سفید شیروانی پر سے عوامی سیاست کی گرد جھاڑتے ہوئے عوامی سیاست سے الگ ہو کر واپس خواص کی سیاست کے کنجِ عافیت اور گوشۂ راحت میں جا بیٹھے۔ دوبارہ "شامِ ہمدرد" کا ڈاٹس لگایا اور نئے موسموں کا نیا پھل چھیلنے اور کھانے لگے۔ اب انہوں نے "آوازِ اخلاق" کے نام سے کمپنی کی مشہوری کا ایک نیا تھڑا لگایا ہے۔ جس کے ذریعے انہوں نے پاکستان کے اہلِ فکر و نظر و اہلِ قلم جیالوں اور محترموں اور حساس سفید پوشوں کے نام ۹ جنوری ۱۹۷۹ء کی تاریخ لئے ہوئے ایک مراسلہ احتراماتِ فائقہ کے ساتھ جاری کیا ہے۔

حکیم محمد سعید بعد از السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ لکھتے ہیں کہ "میں آپ کی توجہ ایک نہایت اہم مسئلے کی طرف دلانا چاہتا ہوں...." حکیم صاحب کے نزدیک فوری توجہ کا مستحق یہ اہم ترین مسئلہ انسانی حقوق، اقتصادی استحکام، دستور، جمہوریت اور غریبوں کے حامی اسلام کا مسئلہ نہیں ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ "....اور یہ مسئلہ ہے ہمارے موجودہ معاشرے میں اخلاقی گراوٹ کے تباہ کن اثرات کا" مزید فرماتے ہیں "دورِ حاضر کے معاشرے کا دامن برائیوں سے بری طرح داغدار ہے۔ ان برائیوں کے اسباب پر مزید غور و خوض کیا جائے۔ تو بہ آسانی پتہ چل جائے گا کہ بیشتر برائیوں کے جراثیم بداخلاقی کے گندے جوہڑ میں پیدا ہوتے ہیں اور پھیلتے پھولتے ہیں۔ اہلِ فکر و نظر و اہلِ قلم وقت کے نباض کہلاتے ہیں۔ وہ حالات پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ وہ نہ صرف برائیوں کی نشاندہی کرتے ہیں بلکہ اپنی اثر انگیز تحریروں سے لوگوں کو ان کے سدِ باب کے لئے منظم کرنے میں بھی ایک اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ معاشرے کے ایک حساس فرد کی حیثیت سے آپ نے بھی حالات اور گرد و پیش کے معاملات کا گہرا مطالعہ کیا ہو گا۔ سوچ بچار کیا ہو گا اور آپ ضرور کسی نہ کسی نتیجہ پر یقیناً پہنچے ہوں گے۔ کہ کس طرح ان برائیوں کو ختم کر کے معاشرے کو پاک صاف کیا جا سکتا ہے۔ ماضی کے دریچوں میں بھی آپ نے ضرور جھانکا ہو گا۔ میری خواہش ہے کہ اس بے مثال ماضی کے حوالے سے آپ قوم کے لئے اپنے ان مخصوص جذبات و احساسات اور گرانقدر نتائج کو ایک پیغام کی صورت میں بقلمِ خود تحریر فرما دیں۔ میں اس پیغام کو حتی الامکان دور دور تک پہنچا دوں گا۔ پھر میں آپ کے اس پیغام کو محفوظ کر دوں گا۔ تاکہ آنے والی نسلیں آپ سے واقف ہوں اور آپ کی تحریر سے آشنا۔"

اس مقصد کے لئے حکیم محمد سعید نے ہر اہلِ فکر و نظر و اہلِ قلم کو ایک ایک "سفید کاغذ" بھی ارسال فرمایا ہے کہ وہ ازراہِ کرم کالی روشنائی یا سرخ روشنائی سے بقلمِ خود قوم کے نام یہ پیغام لکھ کر بہ عجلت ممکنہ انہیں بھجوا دیں۔ ان کا وعدہ ہے کہ "میں آپ کی اس تحریر کو تاریخ کے لئے محفوظ کر دوں گا۔"

گھسے پٹے، فرسودہ، بوسیدہ، زنگ خوردہ، بے معنی اور لایعنی الفاظ، تراکیب اور جملوں اور فقروں پر مشتمل یہ بے ربط اور بے اثر تحریر پڑھ کر ہنسی آتی ہے۔ کہ سیل زمان کے تھپیڑوں نے شارک سکن کی سفید اچکنوں کے معاشرے کو کس قدر عدم تحفظ کا شکار بنا دیا ہے۔ ہنسی آتی ہے کہ وقت کے بے رحم ہاتھوں کی زد میں بید مجنوں کی طرح کانپتے ہوئے یہ غیر محفوظ سفید پوش اہلِ فکر و نظر و اہلِ قلم حضرات کے پیغامات اور ان کی تحریروں کو تاریخ اور آئندہ نسلوں کے لئے محفوظ کرنے چلے ہیں۔ مجھے اس وقت بھی ہنسی آتی ہے۔ جب کسی پنجابی فلم میں کوئی باپ اپنی باغی بیٹی کو اپنی مرضی کی شادی سے روکنے کے لئے آخری حربہ اور آخری دلیل دیتا ہے اور کہتا ہے "دھیئے! میریاں چٹیاں داڑھیاں دا تے کجھ خیال کر" اپنے عہد کے سفید پوش جن کی نمائندگی حکیم محمد سعید بھی کرتے ہیں، مجھے یہی کہتے سنائی دیتے ہیں۔ کہ ہماری سفید اچکنوں اور سیاہ شیروانیوں کا کچھ تو لحاظ کرو۔ اور یہ حقیقت ہے کہ ان سفید پوشوں کے لئے

"اہم ترین" مسئلہ یہی ہے کہ ان کے قائم کردہ معاشرے کی ان سفید اچکنوں کا "دامن بری طرح داغدار" نہ ہو جو انہوں نے آستینوں کا لہو چھپانے کے لئے زیب تن کر رکھی ہیں۔ غریب عوام اپنا لہو تلاش کرنے کے لئے ان کے دستانے اتارنے کی کوشش کریں تو یہ کوشش بدتمیزی اور بداخلاقی قرار دی جائے۔ غریب عوام کے بدن پر تو ایک چیتھڑا بھی نہیں ہے ان کا دامن کہاں سے آیا ہے۔ کہ داغدار ہوگا۔

حکیم محمد سعید کو "بآسانی" پتہ چل گیا ہے کہ "بیشتر برائیوں کے جراثیم بداخلاقی کے گندے جوہڑ میں پیدا ہوتے اور پھلتے پھولتے ہیں۔" مگر ان کے لئے یہ پتہ چلانا یا باور کرانا مشکل ہے کہ ان برائیوں کو جنم دینے والے جوہڑوں میں گندگی کن عالیشان بنگلوں، دیدہ زیب کوٹھیوں، فلک بوس محلوں اور عشرت کدوں کے پرنالوں اور گٹروں سے آتی ہے۔ باقی صدیقی نے کہا تھا

کہڑیاں گھٹاں لبے پوچے کیہڑی طرف سنبھالے
جس دی چھیری اتوں لنگن، محلاں دے پرنالے

کیا یہی وہ گندے جوہڑ نہیں ہیں جن میں مفاد پرست طبقے اپنے مفادات کی مچھلیاں پکڑتے ہیں؟ جن سے پھیلنے والی بیماریاں کی وجہ سے "ہمدرد دواخانے" پھلتے اور پھولتے ہیں۔ "شام ہمدرد" ترتیب دی جاتی ہے۔ اور "آدابِ اخلاق" کا پاکھنڈ کھڑا کیا جاتا ہے؟ کیا یہی وہ گندے جوہڑ نہیں ہیں۔ جن میں کلبلاتے ہوئے ووٹوں کی امید میں سفید اچکنیں صوبائی اور قومی اسمبلی کی رکنیت کے خواب دیکھتی ہیں؟

اہل فکر و نظر اور اہل قلم وقت کے نباض کہلاتے ہوں گے۔ مگر صحیح فکر رکھنے والوں کے ذہنوں میں سنگینیں اتار دی جائیں اور صحیح نظر رکھنے والوں کی آنکھیں پھوڑ دی جائیں اور اہل قلم کے ہاتھ کاٹ دیئے جائیں تو وہ وقت کی نبض کیسے ٹٹولیں گے؟ حالات اگر وہی ہیں جو سرکاری پالیسی اور اشتہارات کے کنٹرول میں آئے ہوئے صفحات میں چھپتے ہیں تو گہری نظر کس کام آئے گی؟ زخمی ذہنوں خون بستہ آنکھوں، فگار انگلیوں اور خونچکاں خاموں والے اہل فکر و نظر و اہل قلم حالات اور گرد و پیش کے معاملے کے گہرے مطالعے کے بعد جن نتائج پر پہنچے ہیں ان کو ضبط تحریر میں لانے سے نہ صرف آپ کا ارسال کردہ "وائٹ پیپر" بلکہ آپ کی سفید اچکن بھی داغدار ہو جائے گی جسے آپ برداشت نہیں کر سکیں گے۔ وہ تاریخ اور نئی نسلوں تک کیسے پہنچائیں گے۔ اپنی اولاد کو، مستقبل کو یہ بتانا کیسے گوارا کریں گے کہ حالات کی تمام تر خرابی اور ہر قسم کی گندگی، بداخلاقی، بدبو، تعفن اور غلاظت آپ کی اپنی پیدا کردہ ہے۔ آپ کے مفلس زدہ ذہنوں کی پیداوار ہے۔

اہلِ فکر و نظر و اہل قلم حضرات ماضی کے صرف "روشن دریچوں" میں ہی نہیں جھانکتے، تاریک دریچوں میں بھی جھانکتے ہیں۔ ان شہروں کو بھی دیکھتے ہیں، جنہیں آپ لوگوں کی مفاد پرستی اور ہوس اقتدار نے کھنڈرات میں تبدیل کر دیا۔ امیدوں اور آرزوں کی وہ فصلیں ان کے سامنے ہیں جنہیں آپ لوگوں نے جلا کر رکھ دیا۔ نئی نسل ان حقائق کو از خود معلوم کرے گی اور مستقبل کے دریچوں میں بیٹھے ہوئے مورخ صحیح واقعات کو ہی تاریخ میں محفوظ کریں گے۔ صرف زلیخا کا الزام ہی نہیں سنیں گے۔ یوسفؑ کا دامن بھی دیکھیں گے۔ مستقبل کی تاریخ پریس ٹرسٹ اور جماعت اسلامی کے اخبارات اور وائٹ پیپروں سے ترتیب نہیں دی جائے گی۔ مستقبل کی تاریخ کے ماخذ زخمی ذہن، خون بستہ آنکھیں، فگار انگلیاں اور خونچکاں خامے ہوں گے۔ ●

جاوید شکور نے کوڑے کی ہر ضرب پر "امریکی سامراج مردہ باد" کے نعرے لگائے

مزدور طلبہ کسان عوامی رابطہ کمیٹی کے زیر اہتمام گذشتہ سال یکم مئی کو کراچی کے علاقے لیاری سے نکالے گئے جلوس سے گرفتار شدہ جاوید شکور سمیت ۱۲ اسیران کو کراچی سنٹرل جیل سے رہا کر دیا گیا۔ رہائی سے قبل جاوید شکور کو کوڑے بھی لگائے گئے۔ رہائی پانے والوں میں مزدور طلبہ کسان عوامی رابطہ کمیٹی کے چیئرمین جاوید شکور، پاکستان ورکرز فیڈریشن کے سکریٹری اطلاعات محمد فصیح، لیاری نوجوان تحریک کے چیئرمین سلیم بلوچ اور جنرل سکریٹری سلیم صالح بزدار، نیشنل پروگریسو پارٹی کے رہنما ماسٹر غلام نبی، تنظیم نوجوانان ترقی کے صدر غلام مصطفےٰ بلوچ، آل پاکستان یونائیٹڈ مائنار یٹیز آرگنائزیشن کے چیئرمین بابو لال ڈائر ٹیکسٹائل ایمپلائز یونین کے جنرل سکریٹری عبدالمجید اور مزدور طلبہ کسان عوامی رابطہ کمیٹی کے رہنما فضل الرحمٰن نیازی، محمد ایوب اور عبدالصغیر شامل ہیں۔ ان افراد کو گذشتہ سال یکم مئی کو لیاری کے علاقے میراں ناکہ سے محنت کشوں کے عالمی تہوار "یوم مئی" کے سلسلے میں نکالے گئے جلوس سے گرفتار کیا گیا تھا۔ گذشتہ سال جاوید شکور سمیت گرفتار شدہ ۱۲ افراد کے لئے یکم مئی کی شام ہی کو سرسری سماعت کی فوجی عدالت خصوصی طور پر لگائی گئی۔ جاوید شکور کو جلوس کی قیادت کرنے کے جرم میں ایک سال قید بامشقت اور پندرہ کوڑوں کی سزا اور بقیہ گیارہ ساتھیوں کو ایک ایک سال قید بامشقت اور دس دس کوڑوں کی سزائیں سنائی گئیں۔

کراچی سنٹرل جیل میں قید بامشقت کی سزائیں کاٹنے والے اسیران یوم مئی کی سزائیں ۲۵ جنوری کو ختم ہونے والی تھیں لیکن رہائی سے قبل اسیرانِ یوم مئی کو کوڑے بھی لگائے جانے والے تھے جیل حکام نے کوڑے لگانے کے مکمل انتظامات کر رکھے تھے اس روز صبح ہی سے جیل کی تمام بیرکیں بند کر دی گئی تھیں۔ ۲۴ جنوری کی شام کو اسیرانِ یوم مئی کے قائد جاوید شکور کو جب بیرک سے نکال کر کوڑے لگانے کے لئے ٹکٹکی کی جانب لے جایا جانے لگا۔ تو سیاسی قیدیوں سمیت جیل کے تمام قیدیوں میں زبردست اشتعال پھیل گیا اور انہوں نے کوڑوں کی غیر انسانی سزاؤں

کے خلاف احتجاج کرنا اور زبردست نعرے لگانا شروع کر دیئے۔ جس کی وجہ سے جاوید شکور کو صرف پانچ کوڑے لگائے جاسکے۔ ہر کوڑا کھانے کے بعد جاوید شکور بلند آواز سے امریکی سامراج مردہ باد، سرمایہ داری مردہ باد کے نعرے بلند کرتے جیل حکام نے قیدیوں کے اس زبردست احتجاج سے گھبرا کر بقیہ کوڑے لگانے کے پروگرام کو منسوخ کر دیا اور بقیہ کوڑے لگائے بغیر انہیں ۲۵ جنوری کی صبح کو رہا کر دیا گیا

۲۵ جنوری کو صبح دس بجے جب اسیرانِ یوم مئی کی رہائی عمل میں آئی تو کراچی سنٹرل جیل کے احاطے میں موجود مزدور، طالب علموں اور سیاسی کارکنوں سمیت ان کے عزیزوں، دوستوں اور ساتھیوں کی ایک بڑی تعداد ان کے استقبال کے لئے موجود تھی۔ جنہوں نے رہا ہونے والوں کو ہار پہنا کر اور زوردار تالیاں بجا کر اسیران یوم مئی کی رہائی کا پرجوش خیر مقدم کیا۔ استقبال کرنے والوں میں طالب علم رہنما جبار خٹک، خورشید تنویر، غلام اکبر اور ضیا احمد اعوان، لیاری کے نوجوان رہنما جان محمد بلوچ اور نیشنل پروگریسو پارٹی کراچی کے آرگنائزر عزیز الرحمٰن بھی شامل تھے۔ استقبال کرنے والوں میں متعدد صحافی اور اخباری کارکن بھی شامل تھے جو گذشتہ تحریک آزادی صحافت کے دوران گرفتار ہوتے تھے اور جیل میں جاوید شکور اور ان کے ساتھیوں کے ہمراہ تھے۔ ●

خلقِ خدا کی گھات میں..

سچ کو چھپانے کے لئے جھوٹ پہ جھوٹ بولا جا رہا ہے

حکیم عبدالرشید

حکومت وقت نے اعلان کیا ہے کہ امسال یوم پاکستان نہایت شان و شوکت سے منایا جائے گا جس کے لئے ایک کمیٹی تشکیل دی جا چکی ہے۔ کمیٹی کے سربراہ ۴ جولائی ۱۹۷۷ء تک کے چیف آف اسٹاف ۵ جولائی ۱۹۷۷ء والے چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر اور آج کے صدر اسلامی جمہوریہ پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق بنے ہیں۔ دیگر اراکین ۶ وزراء ہیں۔ جن میں "شیر پنجاب" سابقہ فٹ کانسٹیبل چوہدری ظہور الٰہی صاحب شامل نہیں ہیں۔ ان کے شامل نہ کرنے کی وجہ بھی ظاہر ہے کہ جو بھی وزیر باتدبیر کمیٹی کا ممبر ہو گا۔ اس کو جھوٹ ہی سہی کم از کم یہ تو کہنا ہی ہو گا کہ وہ قائد اعظم مرحوم کے سیکرٹری کے پی اے کا ٹائپسٹ تھا اور یوں پاکستان بنانے میں کار ہائے نمایاں سرانجام دیتے یا وہ قائد اعظم مرحوم و مغفور کو پانی پلانے کا شرف حاصل کر چکا ہے۔ اس طرح پاکستان بنانے میں اہم رول ادا کر چکا ہے۔ اب چونکہ قائد اعظم زندہ نہیں ہیں لہٰذا جو مرضی ہے کہہ دو کون ہے جو سچ اور جھوٹ کو پرکھے مگر جناب چوہدری ظہور الٰہی صاحب کا قصہ کچھ اور ہے۔ لوگوں کو علم ہے کہ وہ کیا کرتے ہیں اور کس چوک پر تعینات تھے۔ لہٰذا انہیں اس کمیٹی میں نہیں رکھا گیا۔ عوام سے بھی کہا گیا ہے کہ وہ اس عظیم دن کو منانے کے بارے میں اپنی آراء کمیٹی شریف کو ارسال کریں چونکہ ہم بھی پاکستانی عوام میں سے ہیں لہٰذا اپنے اظہار کا راستہ ڈھونڈ نکالا ہے۔ ہماری گزارشات گو ذرا ترش ہیں مگر ان کی اہمیت سے روگردانی ذرا مشکل ہے۔ بعض حقیقتیں اتنی محسوس ہوتی ہیں کہ وہ چڑیلوں کا روپ دھار کر انسانوں کی راتوں کی نیندیں حرام کر دیتی ہیں۔ ایک ایسی ہی ترح ہمارے لئے وبال جان بنی ہوتی ہے۔ نہ رات کو سونے دیتی ہے نہ دن کو آرام کا سانس لینے دیتی ہے۔ ذکر خیر کمیٹی یوم پاکستان کا تھا ہم کہیں اور نکل گئے تو جناب کمیٹی مذکور کے غور و خوض کے لئے ہماری تجاویز گزارشات عرض داشت درج ذیل ہیں۔

پاکستان، پاکستان کے عوام کو واپس لوٹایا جائے۔

پاکستان نام کا ایک ملک تھا جس کے دو بازو تھے۔ مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان۔ یہ ملک ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو بنا پھر ۱۹۷۱ء میں اس کا ایک بازو کٹ گیا۔ اس وقت حکمران کا بوجھ چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جنرل محمد یحییٰ خان نے اٹھایا ہوا تھا۔ آج بھی حالات اور القابات وہی ہیں یحییٰ خان کی جگہ ضیاء الحق ہیں۔ ڈھاکہ میں ایک تقریب ہوئی اور مشرقی پاکستان بنگلہ دیش بن گیا جس کے موجودہ صدر اور چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر ضیاء الرحمٰن صاحب ہیں۔ آج پاکستان کے باقی ماندہ حصہ میں قوم سے وہ تجاویز مانگی جا رہی ہیں جن کے مطابق یوم پاکستان کے پروگرام تشکیل دیئے جا رہے ہیں۔ .... ذرا حکومت وقت کی نیک نیتی ملاحظہ ہو کہ اس دن کے لئے کس طرح عوام کو اعتماد میں لے رہی ہے۔ اسی کا نام جمہوریت ہے اسی کو انسانی آراء کا تقدس کہتے ہیں۔ آزادی کی یہی سب سے بڑی دلیل ہے لیکن ایک بات سمجھ سے بالاتر ہے کہ تقید عوام کیا لائے دے سکتے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہی عرض کر سکتے ہیں کہ ہمارے حال پر رحم فرمایا جائے اور پاکستان، پاکستان کے عوام کو واپس سونپ دیا جائے جو ان کا اخلاقی قانونی اور مذہبی حق ہے۔ پاکستان عوام کی ملکیت ہے وہی اس پر اپنے منتخب نمائندوں کے ذریعہ حکومت کرنے کا حق رکھتے ہیں۔ ہمارا مشورہ ہے کہ اس ملک اور عوام کے

۱۹۵۸ء میں مارشل لاءؔ

"چوکیدار کی بددیانتی"

مارشل لاءؔ "اسلامی

مقدر کو کسی شخص کے فیصلے سے منسلک نہ فرمایا جائے۔ بہتر تو یہ تھا کہ ۲۳ مارچ تک انتخابات کروا دیئے جاتے۔ زیادہ سے زیادہ بقول مولانا شاہ احمد نورانی جون ۱۹۷۹ء تک انتخابات کروا کر حکومت عوام کے حوالے کر دی جائے۔ زیادہ تاخیر اچھی نظر نہیں آتی۔ انسان اگر عقل سے بالکل کورا نہ ہو تو کچھ نہ کچھ پیش بینی کر سکتا ہے مستقبل میں ذرا جھانک کر دیکھا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ ہاں حقیقت کڑوی ہوتی ہے لیکن اگر سدباب کر دیا جائے تو بڑی سے بڑی بیماری بھی ٹل جاتی ہے۔ ٹڈی دل کے حملہ سے پہلے احتیاطی تدابیر اختیار کر لی جائیں تو زیادہ بہتر ہوتا ہے۔

پاکستانی عوام کے دین سے کھیلنا بند کیا جائے۔

پاکستان گو ایک غریب ملک ہے مگر اس کے عوام دینی لحاظ سے غریب نہیں ہیں۔ یہ مفلوک الحال قوم نہ تو بے تقریبات میں ہتھیار ڈالتی ہے نہ کفر کو قبول کرتی ہے۔ اس قوم کے پاس اور کچھ نہیں ہے اسلام نے ہی اسے زندہ رکھا ہوا ہے۔ ورنہ اس کے جسم کا ایک ایک قطرہ خون ایک ایک ریشہ گروی ہے۔ عوام کے ساتھ دھوکہ کیا جا رہا ہے اور اسلام کے مقدس نام پہ استحصال کیا جا رہا ہے اور ناجائز کو جائز ثابت کرنے کے لئے قرآن و حدیث کی غلط تاویلیں پیش کی جا رہی ہیں۔ اس کے ناتواں جسم میں زہریلے مادے داخل کئے جا رہے ہیں مسلمان کو مسلمان کا دشمن بنایا جا رہا ہے۔ تہمت اور دشنام کا مرض عام ہے۔ اس قوم کے ساتھ اور بڑا ظلم کیا ہو گا کہ اس کے ذہنوں میں نفرت کا بیج بویا جاتے۔ اسلام جو بنی نوع انسان کی آزادی کا علمبردار ہے جس نے حقوق انسانی کا سب سے مستند منشور دیا۔ آج اسلام کو کوڑوں اور ہاتھوں کے کاٹنے کے لئے بطور ہتھیار استعمال کیا جا رہا ہے۔ اسلام کے نفاذ کا چرچا اپنے مقاصد کی پردہ پوشی اور ناقابل بیان عزائم کی تکمیل کے لئے کیا جا رہا ہے۔ طب یونانی کو طب اسلامی قرار دے دینا اسلام کی خدمت تو نہیں ہے بلکہ یہ اسلام کا مذاق اڑانا ہے مونچھوں کی آبیاری کر کے داڑھی کی تعریف چہ معنی۔ یہ منافقت نہیں تو اور کیا ہے۔ عوام کے خون پسینے کی کمائی سے حج اور عمرہ تو اسلام نہیں ہے۔ ایک کہاوت ہے کہ ایک پنڈت کے پاس اس کا ایک چیلا آیا اور گنگا یاترا کی اجازت طلب کی۔ پنڈت نے کہا کہ اچھا چلے جانا لیکن میرا ایک کام بھی کرنا، چیلے نے ہاتھ جوڑ کر کہا گورو جی حکم فرمایئے۔ گورو نے چیلے کو ایک تربوز اور ایک (تمبہ) یعنی کڑوا تربوز دیا اور کہا کہ تربوز کو گنگا کے پانی میں ایک غوطہ دینا اور تمبہ کو ایک ہزار غوطہ دینا۔ چیلا گنگا یاترا کے لئے اجازت لے کر چلا گیا۔ وہاں پہنچ کر گورو کی ہدایت کے مطابق تربوز کو ایک غوطہ دیا اور تمبہ کو ایک ہزار غوطے گنگا کے پانی میں دیئے اور واپس چلا آیا گورو جی اپنے چیلے چانٹوں کے درمیان بیٹھے ہوتے تھے۔ چیلے نے دونوں چیزیں پیش کیں۔ گورو نے سب سے پہلے تربوز کی قاشیں کر کے تمام چیلوں کو کھانے کے لئے دیں۔ سب نے چٹخارے لے لے کر قاشیں کھائیں جب سب تربوز کھا چکے تو آخر میں گورو نے کڑوے تمبہ کی قاشیں بنا کر چیلوں میں تقسیم کیں اور کھانے کی ہدایت کی جب کھانے لگے تو تمبہ کی کڑواہٹ کی وجہ سے قے کرنی شروع کر دیں۔ اس پر گورو جی نے کہا کہ سجنوں جب تک من کی کڑواہٹ دور نہ ہو۔ گنگا میں ساری زندگی اشنان کرتے رہو، کوئی فائدہ نہ ہو گا اسلام میں نہ کسی مفکر کی پیوند کاری کی ضرورت ہے نہ کسی مجتہد کی تاویل کی گنجائش۔ اسلام کی خدمت

جو آپ کر چکے ہیں کافی ہے۔

مزید جھوٹ بولنے سے توبہ کی جائے۔

جھوٹ اخلاق کا دشمن ہے۔ اسلام کی سچائی میں کسی کو کیا شک ہو سکتا ہے۔ اسلام ہمیشہ دلیل سے بات کرتا ہے۔ دلیل بھی ایسی جو دل اور دماغ تسلیم کریں۔ اسلام نے برائیوں کی جڑ جھوٹ کو قرار دیا ہے کہ ایک سچ کو چھپانے کے لئے مسلسل جھوٹ بولنا پڑتا ہے۔ پاکستان میں ۵ جولائی ۱۹۷۷ء کو جو حالات تھے کسی سے پوشیدہ نہیں۔ قومی اتحاد اور پیپلز پارٹی کا سمجھوتہ ہو چکا تھا۔ سچ کو چھپانے کے لئے جھوٹ گھڑا گیا۔ پھر مزید جھوٹ بولنے پڑے اور جھوٹ پر جھوٹ کا چکر چل نکلا۔ ڈراؤنے خواب ہیں۔ عوام کے چہرے پڑھے جا رہے ہیں۔ پارٹیوں میں تقسیم کی جا رہی ہے۔ مسلمان کو مسلمان سے لڑایا جا رہا ہے۔ کہیں نجات صوبائی حکومتوں میں نظر آتی ہے۔ کبھی بلدیاتی انتخابات کی بات ہے۔ کبھی بلدیاتی نامزدگیوں کا غلغلہ ہے۔ کبھی افغانستان کو راہداری میں سہولتیں دے کر اپنے آپ کو محفوظ بنانے کی سوچی جا رہی ہے۔ کبھی ہندوستان کے ساتھ دوستی کی پینگیں بڑھانے میں دوام نظر آتا ہے۔ ایک عجیب کیکپی طاری ہے۔ ذاتی عزائم کی تکمیل کے لئے خوبصورت تانا بانا بنتے بنتے انسان خود اس میں پھنس جایا کرتا ہے۔ ہماری استدعا ہے سچ کو واضح کیا جائے اسی میں ہم سب کی سلامتی ہے اور آئندہ جھوٹ سے توبہ کی جائے۔

ناپاکستان کو پاکستان بنایا جائے۔

مطالبۂ پاکستان کے وقت دو گروہ خلاف تھے۔ ایک ہندو دوسرا مسلمانوں کا ایک ٹولہ اس ٹولہ میں قومی اتحاد کے سربراہ مولانا مفتی محمود، اسمبلی کے نائب صدر نوابزادہ نصراللہ خان جو حال ہی میں صدر مملکت سے ملاقات کرنے کے بعد اپنے آپ کو درویش کہہ رہے ہیں اور تیسرے قومی اتحاد کی سیڑھی سے سب سے زیادہ فائدہ اٹھانے والے مولانا مودودی صاحب۔ یہ لوگ پاکستان کے وجود کو تسلیم نہیں کرتے تھے۔ اب کہتے ہیں کہ ہم مخالف نہیں تھے۔ شاید تاریخ غلط کہتی ہے اور ان کے اپنے پر نور رسالے جھوٹ لکھ چکے تھے لیکن بات وہی ہے جھوٹ کے لئے مزید جھوٹ۔ تو جناب آخرالذکر مولانا مودودی صاحب نے پاکستان کو ناپاکستان قرار دیا تھا۔ آج وہ اپنی بات سے بھی منکر ہیں۔ اب تو شاید مولانا مودودی کو اپنا لکھا ہوا وہ کتابچہ بھی جھوٹ نظر آتا ہو گا جس میں انہوں نے ایوب خان صاحب کے حکومت پر قبضہ کو چوکیدار کی بددیانتی قرار دیا تھا۔ خیر بڑے لوگ بڑے جھوٹ بولتے ہی رہتے ہیں۔ مولانا نے جو ناپاکستان کہا تھا وہ آج حرف بحرف درست نظر آتا ہے۔ ہم تنگ دل نہیں کہ کسی شخص کی دوراندیشی پر داد بھی نہ دے سکیں۔ مولانا نے جن وجوہات کے پیش نظر پاکستان کو ناپاکستان کہا تھا آج وہ بالکل واضح ہیں۔ جس دھرتی پہ مذہب کی آڑ میں ظلم روا رکھا جائے جہاں کے لوگوں کو دو وقت کی روٹی میسر نہ ہو۔ وہ بدنصیب قوم جو قید میں ہو جس ملک میں مساجد کو ذریعہ اقتدار بنا دیا گیا ہو۔ وہ خطۂ ارضی جہاں سچ بولنے اور لکھنے والے پابند سلاسل ہوں اور کوڑوں سے اسلام کا درس دیا جا رہا ہو جہاں علماء کرسیوں کی بندر بانٹ میں ایک دوسرے سے باہم دست و گریباں ہوں، جس مادر وطن میں بسنے والے اپنی عزت و وقار کو محفوظ نہ سمجھتے ہوں جس کے باسی اپنے وطن کے مستقبل سے پریشان ہوں۔ وہ علاقہ واقعی ناپاکستان تو ہو سکتا ہے پاکستان نہیں۔ آج لگام ان ہاتھوں میں نظر آتی ہے جو سرے سے پاکستان کو تسلیم ہی نہیں کرتے۔ خدا محفوظ رکھے ہر بلا سے۔

خلق خدا کی خیر ہو خلق خدا ہے بے خبر
خلق خدا کی گھات میں پر دہ فقیہ و میر

**

سرگودھا

محمد الطاف چغتائی

دھاندلی کے ریکارڈ
ٹوٹ گئے، یہ فیکٹریاں
بھی ہضم کر جائیں گے: نورانی

انگریزوں کو میر جعفروں کی ضرورت تھی، مارشل لاء انتظامیہ کو نمبرداروں کی

جمعیت العلمائے پاکستان کے مرکزی رہنماؤں مولانا شاہ احمد نورانی، مولانا عبدالستار خان نیازی، مولانا غلام علی اوکاڑوی اور صوبائی جنرل سکریٹری ملک محمد اکبر ساقی نے رابطہ عوامی کے سلسلہ میں ضلع سرگودھا کا دورہ کیا۔ انہوں نے مارشل لاء ضوابط کے باوجود سرگودھا، بھلوال، خوشاب، جوہر آباد، قائد آباد اور نور پور تھل میں عوامی اجتماعات سے خطاب کیا وہ جہاں بھی گئے، جمعیت کے کارکنوں نے جلوس نکال کر ان کا استقبال کیا، قومی اتحاد کے سابق رہنماؤں نے جگہ جگہ قومی اتحاد پر شدید نکتہ چینی کی اور کہا کہ اتحاد پارہ پارہ ہو چکا ہے۔ مولانا شاہ احمد نورانی نے اپنے خطابات میں کہا کہ وہ لوگ جو ہندو کے ساتھ ایک قوم بننے کو تیار تھے وہ آج کس منہ سے پاکستان کے مسلمانوں کو چار قومیتوں میں بانٹ رہے ہیں۔ قومی اتحاد صرف اغراض کا اتحاد ہے جو ہر چیز کی قیمتیں آسمان تک پہنچانے اور رشوت و لوٹ کھسوٹ عام کرنے کے لئے قائم ہے انہوں نے جماعت اسلامی پر تنقید کرتے ہوئے کہا کہ وہ قربانی کی کھالیں تو اکٹھی کر سکتی ہے لیکن کاروبار ریاست نہیں چلا سکتی۔ جمعیت کے سربراہ نے کہا قوم سے وعدہ خلافی ہم نے نہیں بلکہ ان لوگوں نے کی ہے جو لالچ اور طمع کی خاطر بک گئے ہیں انہوں نے خود اپنے ہی دستور کی دھجیاں بکھیر دی ہیں انہوں نے کہا کہ موجودہ سول وزراء نے دھونس اور دھاندلی کے تمام ریکارڈ مات کر دیئے ہیں اور اگر قوم انہیں پانچ برس کے لئے زمام اقتدار سونپے گی تو یہ فیکٹریاں بھی ہضم کر جائیں گے۔ مولانا شاہ احمد نورانی نے ان وزراء کو فی الفور برطرف کرنے کا مطالبہ کیا۔ انہوں نے کہا نظریہ پاکستان اور مسلمان لازم و ملزوم ہیں اور جمعیت دو قومی نظریہ کا بھرپور تحفظ کرے گی۔ جمعیت کے سربراہ نے کہا کہ وہ مولوی جو بک چکے ہیں ان کی دشنام طرازی بند کرائی جائے اور فی الفور انتخابات کرائے جائیں۔ جمعیت کے مرکزی سکریٹری جنرل نے اپنی تقاریر میں کہا کہ ذرائع ابلاغ قوم کو دھوکہ

دینے والوں، چور دروازوں سے وزارتوں میں شامل ہونے والے وزرا کا پراپیگنڈہ کر رہے ہیں انہوں نے نہلے میں "ٹاؤٹ" کی تعداد بڑھا دی ہے۔ سفارشوں کا دور دورہ ہے۔ پرمٹ بلیک میں فروخت ہو رہے ہیں۔ موجودہ کابینہ ناکام ہو چکی ہے اور لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم ہے انہوں نے نام نہاد وزرا کی نامزدگی پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا جس طرح انگریز کو میر جعفروں کی ضرورت تھی۔ اسی طرح موجودہ مارشل لا اتھارٹی کو ذمہ داروں کی نہیں نمبر داروں کی ضرورت تھی۔ چنانچہ انہوں نے انہیں ملازم رکھ لیا ہے۔ لیکن وہ شاید نہیں جانتے کہ ایک بہروپیا اگر بادشاہ کا لباس پہن لے تو وہ بادشاہ نہیں بن سکتا۔ قومی اتحاد مر چکا ہے اور ہم نے اُسے دفنا دیا ہے۔ اگر نام باقی ہے تو اُن مفاد پرستوں کے دم سے جن کا ان کے ساتھ مفاد وابستہ ہے۔ عبدالستار نیازی نے کہا کہ قومی اتحاد شریعت میں تبدیلی کرنا چاہتے ہیں لیکن ہم ان غرض مندوں، مکاروں، بہانہ سازوں اور اور قوم کے غداروں کو بتا دینا چاہتے ہیں کہ ہم فقہ مودودیہ کو قبول نہیں کریں گے انہوں نے قسط وار اسلام کے نفاذ پر بھی تنقید کی اور کہا کہ ایک دن میں اسلام نافذ کرنے والے اب دھیرے دھیرے کی پالیسی اختیار کر کے عوام کو بے وقوف بنا رہے ہیں انہوں نے کہا کہ مسلم لیگ کو جوڑنے کی کوششیں کرنے والے اس وقت کہاں تھے جب اتحاد ٹکڑے ٹکڑے ہو رہا تھا اور اس کے نام نہاد عہدیدار پوری قوم کو رسوا کر رہے تھے۔ انہوں نے کہا ذوالفقار علی بھٹو کی حکومت منتخب شدہ حکومت تھی۔ وہ فیصلے دو تہائی اکثریت سے کرتا تھا۔ مسلمان تھا، نظام مصطفےٰ کا حامی تھا اور نبیؐ کے گستاخوں کے خلاف تھا لیکن ہم نے اُسے غاصب اور جابر کہا۔ اب عوام خود فیصلہ کریں کہ جو جماعت اپنے دستور سے ہٹ جائے۔ اقلیت کے فیصلوں کو اولیت دے۔ چند سکوں اور جھوٹی عزت کی خاطر فروخت ہو جائیں ہم اُن کا گریبان کیوں نہ پکڑیں۔ اجتماعات سے مولانا غلام علی اوکاڑوی اور ملک محمد اکبر ساقی نے بھی خطاب کیا۔

*

سندھ میں

"پٹ فیڈر کا المیہ" دہرانے کی سازش

سندھ ہاری کمیٹی دیہہ بی۔ کھیراہو تعلقہ میرپورخاص کے صدر محمد عرس کانبہو اور خان محمد شر نے گزشتہ دنوں حیدرآباد میں ایک پریس کانفرنس سے خطاب کیا۔ پریس کانفرنس کا متن حسب ذیل ہے!

"آج جب کہ پورے سندھ میں جاگیرداروں کی جانب سے کسانوں کو بیدخل کرنے کا سلسلہ انتہا تک پہنچ چکا ہے اور کسانوں کو زمین سے بیدخل کرنے کے لئے وڈیرا شاہی اور نوکر شاہی کا گٹھ جوڑ بھیانک صورت اختیار کر چکا ہے ہم دیہہ بی کھیراہو تعلقہ میرپورخاص کے کسان بھی کئی پشتوں سے اس زمین کو آباد کرنے کے بعد بیدخل ہو جانے کا شدید خطرہ محسوس کر رہے ہیں۔"

"ہم مذکورہ دیہہ میں ۱۵ جوڑوں سے کاشت کرتے رہے ہیں۔ یہ زمین جو کہ ۸۰ ایکڑ رقبہ پر مشتمل ہے اصل میں ہندوؤں کی ملکیت تھی اور بعد میں ایک کلیمینٹ محمود الحسن نے اس پر قبضہ کر لیا۔ کچھ عرصہ زمین کی پیداوار ہضم کرتا رہا اور بعد میں یہ زمین اس نے ہم کسانوں سے صلاح مشورہ کئے بغیر مبینہ طور پر ایک شخص طاہر صدیقی کو دے دی۔ حال ہی میں طاہر صدیقی نے ہم کو بیدخل کرنے کے لئے ایک نئی چال چلی ہے کہ اس نے مہر قبیلے کے لوگوں کو ہمارے گھروں سے کچھ دور لا کر بٹھایا ہے اور انہیں کہا ہے کہ اُن کا تنہا دفاع کسانوں کو بیدخل کر کے دکھاؤ تو یہ زمین تمہارے حوالے کی جائے گی۔"

"ہمارا موقف یہ ہے کہ طاہر صدیقی کو اس زمین کو خرید کرنے کا کوئی قانونی حق حاصل نہیں ہے کیونکہ مارشل لا ریگولیشن ۱۱۵ مجریہ زرعی اصلاحات ۱۹۷۳ء میں یہ واضح طور پر لکھا ہے کہ بیتر یا مقاطعے کا پہلا حق موروثی اور قابض کسانوں کا ہے۔ جب کہ مذکورہ طاہر صدیقی نے اس ریگولیشن کی صریحاً خلاف ورزی کی ہے ساتھ ساتھ محمود الحسن نے بھی جب بڑے بڑے لوگ ان ریگولیشن کی دھجیاں اڑاتے ہیں تو ان پر کوئی قانون لاگو نہیں ہوتا جب کہ غریبوں اور ان کے ساتھ ہمدردی رکھنے والوں، دانشوروں، طلباء اور مزدوروں کو ان قاعدوں کی خلاف ورزی کرنے پر کوڑوں اور قید بامشقت کی سزائیں دی جاتی ہیں۔"

"اب صورتِ حال بہت گمبھیر ہوتی جا رہی ہے کیونکہ کرات کے لوگ ہم کسانوں کو روزانہ مسلح حملہ کرنے کی دھمکیاں دے رہے ہیں اور ایک بار پھر لشکر کشی کر کے پٹ فیڈر جیسا کھیل کھیلنا چاہتے ہیں۔ ہم نے سول کورٹ میں درخواست دائر کی جس پر عدالت نے اسٹے آرڈر جاری کیا ہے لیکن ہم غریبوں کی نیند حرام ہو چکی ہے کیونکہ کسی بھی وقت مہروں کی جانب سے حملے کا خطرہ ہے۔"

"ہم مارشل لا حکام اور ضلعی انتظامیہ سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ دیہہ بی کھیراہو میں موروثی کسانوں کو بیدخل کرنے کی کوششوں کا سدباب کریں اور ذمہ دار افراد کے خلاف کارروائی کریں بصورت دیگر ہم زمین کا قبضہ نہیں چھوڑیں گے جو کہ ہمارا قانونی اور اخلاقی و موروثی حق ہے اگر خونریزی ہوئی تو اس کے ذمہ دار ہم نہیں بلکہ حملہ آور ہوں گے۔"

*

بہاولپور

محبوب علی رانا

اسلامیہ یونیورسٹی میں جمعیت کی غنڈہ گردی اور فائرنگ

مذہبی جبر کا ردِّ عمل انتہائی سنگین ہوگا = موسٰی سعید

پورے ملک میں تعلیمی اداروں کو بند کرنے سے چند دن پہلے سندھ یونیورسٹی کی طرح اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور کو بھی غیر معینہ مدت کے لئے بند کر دیا گیا تھا۔ بہاولپور یونیورسٹی کو کیوں بند کر دیا گیا؟ وہ کیا عوامل اور اسباب ہیں جن کی بنا پر طلبا کو تعلیم حاصل کرنے سے محروم رکھا جا رہا ہے؟ کیا اس عرصہ کے دوران طلبا کا قیمتی وقت ضائع نہ ہوگا؟

اس کا پس منظر یہ ہے کہ گذشتہ دنوں جماعتِ اسلامی کی بغل بچہ تنظیم اسلامی جمعیت طلبہ کے تنخواہ دار پیشہ ور غنڈوں نے ترقی پسند طلبا پر حملہ کر کے یونیورسٹی کے پُرسکون ماحول میں اضطراب پیدا کر دیا۔ واقعات کے مطابق یہ لوگ اسلحہ سے لیس ہو کر ریوالور لہراتے ہوتے یونیورسٹی میں دندناتے پھرتے رہے۔ جماعتی غنڈوں کی سربراہی عاشق سیہو کر رہے تھے کہا جاتا ہے سیہو اس قسم کی پہلے بھی کئی وارداتیں کر چکے ہیں جن میں ایس ای کالج میں فائرنگ کا واقعہ بہت مشہور ہے۔ ریوالوروں کے علاوہ جماعتی غنڈوں کے پاس لاٹھیاں، ڈنڈے، خنجر اور سیلٹ تھے حملہ آوروں نے اپنی جماعتی روایات کو تازہ کرنے کے لئے چند نہتے ترقی پسند طلبا کو گھیر کر اُن پر لاٹھی ڈنڈے اور سیلٹوں کے ذریعے تشدد کیا اور ترقی پسند طلبا کو بے ہوشی کی حالت میں چھوڑ کر ریوالوروں سے فائرنگ کرتے ہوتے فرار ہو گئے۔ تنویر۔ لیاقت اور محمود عباسی ان کے ظلم و ستم کا نشانہ بنے۔ زخمی طالب علموں کا تعلق طلبا کی ترقی پسند تنظیموں سے ہے جو ملک کے موجودہ معاشی سماجی اور سیاسی نظام کے ڈھانچے کو بدلنے کے لئے طلبا کو نظریاتی شعور سے مسلح کر رہے ہیں اور ملک کے مظلوم عوام کی قسمت بدلنے کا تہیہ کئے ہوتے ہیں۔ ریوالوروں کی گولیوں کی آواز سن کر ترقی پسند طلبا میدان میں نکل آئے لیکن اس دوران جماعتی غنڈے فرار ہونے میں کامیاب ہو چکے تھے۔ ترقی پسند طلبا نے کلاسوں کا بائیکاٹ کر کے احتجاج کیا کہ اسلام کے نام نہاد ٹھیکیداروں نے ہر دور میں تعلیمی اداروں کے تقدس کو پامال کیا ہے اور اساتذہ کے وقار کو کچلا ہے اور شریف طالب علموں پر تشدد کیا ہے۔ اس افسوسناک واقعہ کے بعد پروگریسو سٹوڈنٹس الائینس کی طرف سے لیاقت علی نے سول لائن پولیس سٹیشن میں رپورٹ درج کرائی۔ لیاقت علی کی رپورٹ پر عاشق سیہو۔ اقبال ثاقب، اشفاق چودھری، راؤ شوکت حیات اور بشیر کنور کے خلاف زیر دفعہ ۵۰۶-۱۴۸-۱۴۹ مقدمہ درج کر لیا گیا۔ جمعیت کی طرف سے بھی ایک رپورٹ پروگریسو سٹوڈنٹس الائینس کے پانچ طلبا کے خلاف درج کی گئی ہے۔

اس ہنگامے کے بعد بہاولپور محنت کش محاذ اور پاکستان سوشلسٹ پارٹی کا ایک مشترکہ ہنگامی اجلاس ہوا۔ اجلاس کی صدارت سوشلسٹ پارٹی پنجاب کے صدر سید مہربان شاہ نے کی۔ اجلاس سے چوہدری رشید احمد ایڈوکیٹ۔ خان محمد اکبر خان عطاء اللہ چوہدری اور محمد اکمل چوہان نے خطاب کیا۔ مقررین نے یونیورسٹی میں جماعتیوں کی طرف سے کی گئی فائرنگ کی مذمت کی اور کہا پاکستان کے محنت کش طلبا کے ساتھ ہیں۔ طلبا انقلاب کا ہراول دستہ ہوتے ہیں۔ آج اس نازک دور میں جب کہ سرمایہ داری دم توڑ رہی ہے۔ انقلاب کے شعلے بھڑک رہے ہیں۔ عوام اپنا حق مانگ رہے ہیں۔ حقوق حاصل کرنے کی جدوجہد جاری ہے! اس دوران میں تمام استحصالی طبقات انقلاب کو دبانے کے لئے تشدد سے کام لے کر اپنی حاکمیت کو برقرار رکھنا چاہتے ہیں انسانی تاریخ میں ایسی کوئی مثال نہیں ملتی جس میں ظالم حاکم طبقے نے خاموشی سے بغیر ہاتھ پاؤں مارے حاکمیت چھوڑ دی ہو یا رجعت پسند قوت بغیر تشدد آزمائے اپنی برتری سے دستبردار ہو گئی ہو۔ جوں جوں سامراجیوں کو اپنی موت نظر آتی ہے تو ان کا آخری سہارا تشدد ہی ہوتا ہے۔ مقررین نے کہا ہمارے ملک کی رجعت پسند جماعتوں کو ایران کے حالیہ واقعات سے سبق سیکھنا چاہیئے۔ ہمارے پڑوسی ملک ایران میں جدوجہد کا آغاز ہوئے کئی ماہ ہو چکے ہیں۔ سامراجی نظام اپنی زندگی کے آخری سانس لے رہا ہے۔ شہنشاہیت کا خاتمہ یقینی ہو چلا ہے۔ جبر و تشدد کے تمام آلے بے بس نظر آ رہے ہیں۔ وہاں کے بہادر عوام نے سامراجی نظام کے نرغے کو توڑ کر خود سرمایہ داری نظام کو نرغے میں لے لیا ہے اور وہ دن دور نہیں جب ایران پر ایرانی عوام کی حاکمیت ہوگی۔

مقررین نے کہا۔ جیسے زمانہ ترقی کی منزلیں طے کر رہا ہے عوام کو لوٹنے کے طریقے نئے ایجاد ہو جاتے رہے ہیں ظالم استحصالی سرمایہ داری نظام بھی اس کی ایک کڑی ہے جس سے عوام کا آسانی سے استحصال کیا جاتا ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ معاشرتی انقلابی انداز میں تنظیم نو کی جائے۔ پُرانی سوسائٹی کے بالائی طبقے کو ختم کیا جائے۔ اور آزاد خوشحال معاشرے کے لئے اپنی جدوجہد کو تیز تر کر دیا جائے پاکستان میں بھی سرمایہ دارانہ نظام زوال پذیر ہے لیکن استحصالی طبقات اپنی اجارہ داریوں کو برقرار رکھنے کے لئے کوشاں ہیں۔ جو مختلف ہتھکنڈوں، ریشہ دوانیوں اور مسلح حملوں کے ذریعے سیاسی اور نظریاتی غلبہ حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ جماعتیوں کی غنڈہ گردی درحقیقت یونیورسٹی میں ترقی پسند نظریات کی کامیابی اور مودودی نظریات کی موت کے نقارے کی آواز ہے مقررین نے کہا۔ سامراج کو جب تک ٹھوکر مار کر اقتدار سے نہ ہٹایا جائے وہ اپنی حکومت نہیں چھوڑتا۔ لوٹ کھسوٹ، ظلم، جبر و تشدد سامراج کی گھٹی میں ہے۔ مقررین نے کہا ہم تشدد سے نہیں گھبراتے۔ تشدد ہمارے حوصلوں کو پست نہیں کر سکتا کیونکہ ہم سمجھتے ہیں کہ اگر سامراج تشدد نہیں کرے گا تو وہ سامراج کیسے کہلائے گا اور ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ سامراج موت سے پہلے اپنی فطرت نہیں بدل سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ ملک کے طلبا۔ محنت کش۔ سامراج کے بارے میں تمام خوش فہمیوں سے پاک ہو کر اس کے خاتمے کے لئے جدوجہد کر رہے ہیں تاکہ محنت کش عوام سامراجی تسلط کا خاتمہ کر کے خوشحالی جیسی نعمت سے بہرہ ور ہو سکیں۔

اجلاس میں ایک قرارداد کے ذریعے حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ یونیورسٹی کے تقدس کو پامال کرنے اور اساتذہ کے وقار کو ٹھیس پہنچانے اور طلبا پر تشدد کرنے والے جماعتی غنڈوں کے خلاف قانونی کارروائی کی جائے اجلاس میں یہ مطالبہ بھی کیا گیا کہ ترقی پسند طالب علموں پر قائم کیا ہوا مقدمہ فوراً واپس لیا جائے۔ یونیورسٹی کو کھولا جائے تاکہ طلبا تعلیم حاصل کر سکیں۔

پاکستان عوامی جمہوری پارٹی کے مرکزی سیکریٹری مسٹر موسیٰ سعید نے اپنے ایک اخباری بیان کے ذریعے بائیں بازو کے کارکنوں سے اپیل کی ہے کہ وہ جماعتی حد بندیوں سے بالاتر ہو کر ملک میں عوامی جمہوریت کے قیام کے لئے بھرپور جدوجہد کریں۔ انہوں نے بائیں بازو کی جماعتوں کے اختلافات کو قیادت کا اختلاف قرار دیتے ہوئے کہا کارکنوں کو اپنی سطح پر مضبوط اتحاد قائم کرنا چاہیئے تاکہ ملکی سیاسی خلاء کو پر کیا جا سکے۔ انہوں نے ملکی سیاسی حالات کا جائزہ لیتے ہوئے کہا کہ پیپلز پارٹی کے بعد قومی اتحاد کی حکومت بھی عوام کے بنیادی مسائل حل کرنے میں نہ صرف ناکام ہو چکی ہے بلکہ اس عبوری دور میں عوام کے مسائل میں اضافہ ہوا ہے نجی سرمایہ کاری کی کوششیں بعض وجوہ کی بناء پر ناکام ہو چکی ہیں۔ ملک میں صنعتی ترقی بدستور محدود ہے۔ ملک کے مختلف حصوں اور طبقوں میں فاصلے روز بروز بڑھ رہے ہیں۔ حکمران طبقے حکومت چلانے میں ناکام ہو چکے ہیں جبکہ محنت کش طبقے اپنی تنظیمی کمزوریوں کے سبب احساس کمتری کا شکار ہیں۔ مہنگائی اور رشوت فروغ پذیر ہے۔ انتظامی صورتحال کی کیفیت یہ ہے کہ ڈاکہ زنی اور چوریوں میں اضافہ ہوا ہے۔ شجاع آباد، ڈیرہ غازی خان اور لودھراں میں پولیس تشدد کے نتیجے میں معصوم شہریوں کی ہلاکت کے واقعات روز مرہ کا معمول بن چکے ہیں۔ یہاں تک کہ قانون نافذ کرنے والے اور انصاف مہیا کرنے والے ادارے غیر مؤثر ہو کر رہ گئے ہیں جس کی وجہ سے عوام میں بے چینی بڑھ رہی ہے وہ ظلم اور استحصال سے نجات چاہتے ہیں جبکہ قومی اتحاد کے رہنما اقتدار حاصل کرنے کے بعد مذہب کے نام پر عوام کو سیاسی و اقتصادی حقوق سے محروم رکھنا چاہتے ہیں۔ مسٹر موسیٰ سعید نے قومی اتحاد کے رہنماؤں کو انتباہ کیا ہے کہ مذہبی جبر کا ردعمل انتہائی سنگین ہو گا یہ تاریخ کا فیصلہ ہے جس سے فرار ممکن نہیں ہے۔ انہوں نے کہا صورتحال زیادہ سنگین ہوئی تو پاکستان کے عوام بھی اقتصادی، سیاسی جبر کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں گے۔ انہوں نے کہا ہمارے حکمرانوں کو ایران کے موجودہ بحران سے سبق حاصل کرنا چاہیئے۔ ایرانی عوام سامراجی اقتصادی سیاسی جبر کے خاتمے کے لئے شاندار صبر آزما جدوجہد کر رہے ہیں۔ انہوں نے کہا ایرانی عوام کی جدوجہد آزادی کی کامیابی سے جنوبی ایشیا اور مشرق وسطیٰ کے ممالک میں سامراجی جمہوریت کا خاتمہ اور عوامی جمہوریت کے دور کا آغاز ہو گا۔ اسی لئے سامراجی قوتیں ایرانی عوام کی جدوجہد کو ہر قیمت پر کچل دینا چاہتی ہے۔ انہوں نے کہا پاکستان کے عوام اور دنیا بھر کے عوام ایرانی عوام کی جدوجہد کی حمایت کرتے ہیں۔ سامراجی طاقتوں کو یہ حقیقت تسلیم کر لینا چاہیئے کہ یہ جدوجہد جس قدر طویل ہو گی اس کے اثرات اتنے ہی گہرے ہوں گے۔ انہوں نے کہا اس وقت ملک میں متوازن اور غیر جانبدار حکومت کی فوری تشکیل کی ضرورت ہے تاکہ عوام کے اعتماد کو بحال کیا جا سکے اور نمائندہ حکومت کے قیام کی راہ ہموار کی جا سکے۔ مسٹر موسیٰ سعید نے مطالبہ کیا ہے کہ قومی اتحاد کے غیر منتخب وزراء نمائندہ حکومت کے قیام کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ثابت ہو رہے ہیں اس لئے انہیں برطرف کر کے متوازن اور غیر جانبدارانہ حکومت تشکیل دی جائے۔ مخلوط بنیادوں پر انتخابات کے حتمی پروگرام کا اعلان کیا جائے۔ چھوٹے صوبوں کو آئین کے مطابق خود مختاری دینے کیلئے عملی اقدامات کئے جائیں۔ پسماندہ علاقوں اور طبقوں کی بحالی کے لئے خصوصی اقدامات کئے جائیں۔ ترقیاتی منصوبوں میں ان علاقوں کے عوام کو عملی طور پر شریک کیا جائے۔ تمام قابل کاشت سرکاری اراضی بے زمین کسانوں میں ہنگامی بنیادوں پر تقسیم کی جائے۔ جاگیرداری اور اجارہ دار سرمایہ داری نظام کو ختم کیا جائے۔ زرعی مشینری کا استعمال جاگیرداروں کی بجائے مزارعین اور چھوٹے مالکان کے ذریعے رواج دیا جائے۔ عوام کو روزگار کی ضمانت دی جائے۔ شہری اور دیہاتی بے گھر افراد میں رہائشی پلاٹ تقسیم کئے جائیں۔ ملک میں رائج اقتصادی نظام تعلیم کی بجائے ایک تعلیمی نظام رائج کیا جائے۔ قانون نافذ کرنے اور انصاف مہیا کرنے والے اداروں کو عوامی نمائندگی کے اصول پر استوار کیا جائے اور ایسے اقدامات کئے جائیں کہ یہ ادارے بلا امتیاز قانون کا نفاذ اور انصاف جلد مہیا کریں۔ مذہبی عقائد کو فرد کا ذاتی حق تسلیم کیا جائے خدا اور اس کے بندے کے درمیانی تعلق میں مداخلت کی کوششیں بند کرائی جائیں۔

**

لسبیلہ

وڈیروں کا فیصلہ آخری فیصلہ کہلاتا ہے

کراچی کے صنعتی شہر سے صرف ۲۰ میل دور فرسودہ وڈیرہ شاہی نظام اس بیسویں صدی میں بھی پوری آب و تاب سے قائم ہے۔ وڈیرہ شاہی نظام کی بنیاد پر دیسے تو وڈیروں نے ہر جائز و ناجائز اور حق و ناحق کو جو مقام عطا کیا ہے اس کا صحیح اندازہ حب چوکی میں وڈیرہ شاہی کے شکنجے میں جکڑے ہوئے کسانوں کے حالات زندگی سے لگایا جا سکتا ہے جہاں ایک وڈیرے کی سماجی حیثیت کسانوں کی تقدیر کے مالک اور حاکم وقت سے کم نہیں ہے جس کے حکم کو ٹالا نہیں جا سکتا۔ حب چوکی کے ہاری پشت در پشت وڈیروں کے ظلم و تشدد اور لوٹ و جبر کا شکار ہوتے چلے آ رہے ہیں۔ ان کے ساتھ زیادتیوں میں مزید اضافہ ۱۹۶۵ء میں محکمہ سیٹلمنٹ کی وڈیروں کے ساتھ ملی بھگت سے ہونا شروع ہوا۔ جبکہ تحصیل حب کے وڈیروں نے نوکر شاہی سے ملی بھگت کر کے یہاں کے محنت کش کسانوں کی زمینوں کو اپنی اولاد کے نام پر منتقل کرا دیا ہے اس تحصیل میں جو بھی سرکاری افسر بحیثیت خادم قوم آتا ہے وہ پہلے پہل ان وڈیروں سے ملنے کا متمنی ہوتا ہے کسی سرکاری افسر کو اپنے فرائض اور عوام کی فلاح و بہبود سے ہٹ کر ان وڈیروں کی رائے اور من مانی کو قبول کرنا پڑتا ہے۔ اس طرح محکمہ سیٹلمنٹ نے جب چوکی میں اپنے مقصد کے لئے اپنا دفتر قائم کیا تو ان کو اپنی کارگزاری اور فرائض کی ادائیگی کے لئے ان وڈیروں کا سہارا لینا پڑتا ہے جو یہاں کے حاکم و آقا کی حیثیت کا درجہ رکھتے ہیں۔

محکمہ سیٹلمنٹ نے جو ایک تحصیلدار اور کئی پٹواریوں پر مشتمل ہے اپنی کارگزاری کو عملی جامہ پہنانے کے لئے خود زمینوں کا سروے نہیں کیا بلکہ حب چوکی کے محنت کش غریب کسانوں کی قسمت کا نقشہ اپنی من مانی اور من پسندی کے تحت عمل میں لایا جاتا ہے۔ وڈیروں کا فیصلہ حتمی فیصلہ کہلاتا ہے۔ اسی بل پر وڈیروں نے غریب کسانوں کے دس ایکڑ اراضی کم کر کے پانچ ایکڑ کر دیئے اور جہاں ایک کھاتہ دار یا مالک کا اندراج ریکارڈ تھا وہاں وڈیروں کے من پسندیدہ یا جعلی افراد کو ریکارڈ کر دیا گیا یہاں کے سادہ لوح اور مفلس محنت کش کسانوں کی زمینیں کراچی کے سرمایہ داروں کے ہاتھوں فروخت کر دی گئیں۔ ان کی جگہ بوگس افراد کے دستخط کرائے گئے اس طرح محنت کش کسانوں سے ان کی زمینوں کے اصل کاغذات اپنی تحویل میں لے کر ان کو فروخت شدہ زمینوں کی رسیدیں ہاتھ میں دے دیتے ہیں جسے یہاں کے ناخواندہ اور سادہ لوح کسان کوئی قیمتی چیز سمجھ کر صندوق میں بڑی حفاظت سے رکھ دیتے ہیں۔ کسانوں سے زمین حاصل کرنے کے لئے انہیں بیدخل کیا جا رہا ہے اور ان کے گھروں کو نذر آتش کیا جا رہا ہے

حکومت سے کسانوں نے درخواست کی ہے کہ تحصیل حب کے محنت کش کسانوں کی زمینوں سے بیدخلیاں بند کی جائیں اور انہیں زرعی قرضوں میں سہولت فراہم کی جائے تاکہ محنت کش کسان اپنی زمینوں کو دوبارہ کاشت کے قابل بنا سکیں اور یہاں کے کسانوں کی ناجائز طور پر فروخت کی ہوئی زمین اور جعلی بوگس اندراج کھاتہ داروں کا نام ریکارڈ سے ختم کیا جائے۔ نہر کی کھدائی سے متاثر ہونے والے مالکان اور رقم حاصل کردہ مالکان کے قانونی ریکارڈ کی نئے سرے سے تحقیقات کی جائے اور یہاں کے وڈیروں کے ہر اقدام کو ختم کرنا ایک مفید اقدام کہلائے گا •

سچ نما — حاجی عدیل

اور یہ صلاٹھے

صاحبو !

کیا لکھا جائے۔ آپ کیا پڑھنا چاہتے ہیں ؟

کیا مسلم لیگ کے پیر کی گل افشانی پہ کچھ لکھا جائے ؟

کیا مولانا نورانی کی نورافشانی پہ کچھ لکھا جائے ؟

کیا مفتی محمود کی فتویٰ فشانی پہ کچھ لکھا جائے ؟

کیا نظام مصطفےٰ سے ہوتے ہوئے نظام شریعت کی جانب جست لگائی جائے ؟

کیا اسلام کی تقریب رونمائی اور جمہوریت کی پردہ پوشی، پردہ داری، گوشہ نشینی، "پس پردگی" پہ کچھ لکھا جائے ؟

کیا صدارتی نظام حکومت کے بارے میں اظہار خیال کیا جائے ؟

کیا بنیادی جمہوریت کی طرف مراجعت کا ذکر کیا جائے ؟

یا جنرل ضیاء کے جزوی اسلامی نظام پہ اپنی رائے کا اظہار کیا جائے ؟

صاحبو !

جنرل صاحب نے آخرش اس اسلام کی جھلک دکھا ہی دی۔ جس کے نفاذ کے لئے اپنے مودودی صاحب ایک لمبے عرصے سے اٹھا پٹک کر رہے ہیں اور جنرل ضیاء نے ہمیں جس اسلام کی جھلک دکھائی ہے۔ اس کے بارے میں اظہار خیال کی گنجائش نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام کے بارے میں ہم نے جتنا سنا، جتنا پڑھا ہے وہ جنرل ضیاء کے اسلام سے بالکل متضاد، مختلف اور بڑا خوبصورت ہے اللہ اور محمدؐ عربی کے اسلام میں سرمایہ داروں، جاگیرداروں، استحصال کرنے والوں، غاصبوں، جھوٹوں، ناانصافیوں، بدعنوانیوں وغیرہ کی کہیں گنجائش نہیں ہے۔ اس کے برعکس اسلام، اس نظام زندگی کا نام ہے جو معاشرے میں مساوات قائم کرے، لوٹ کھسوٹ استحصال، ناانصافی، سرمایہ داری، جاگیرداری اور اس سے پیدا ہونے والی تمام آلائشوں کو ملیت و نابود کر دے۔ ہمارے خیال میں • تو جنرل ضیاء نے جس اسلام کی جھلک اپنی نفاذ اسلام والی تقریر میں دکھائی ہے وہ اسلام کی اصل روح کے مطابق ہے تو عوام یقیناً اسے قبول کرلیں گے اور اگر اس کے برعکس یہ جھلک استحصال کرنے والے طبقات کا تحفظ کرنے والے تنخواہ دار علماء کے نام نہاد اسلام کی روح کے عین مطابق ہوئی تو عوام اسے مسترد کر دیں گے اور عوام کے قبول اور مسترد کرنے والا عمل آج کل سالوں، مہینوں، ہفتوں، دنوں میں نہیں بلکہ لمحوں میں ہو جاتا ہے۔ اس عمل کا اظہار تو لوگ جنرل ضیاء کی تقریر کے ساتھ ساتھ ہی کر رہے تھے اور ہم لوگوں کا چہرہ تکتے ہوئے یہ سوچ رہے تھے کہ اس صدی میں لوگوں کو دھوکا دینا آسان نہیں رہا۔

صاحبو !

زکوٰۃ کون ادا کرے گا۔ سرمایہ دار یا غریب ؟

چور کے تو ہاتھ کاٹے جائیں گے، چلو ٹھیک ہے۔

منافع خور کے ساتھ کیا ہو گا ؟

چور بازاری، ملاوٹ، ذخیرہ اندوزی اور دلالی کی کیا سزا ہو گی ؟

زانی کو سنگسار کر دیا جائے گا۔ چلو ٹھیک ہے۔

کیا بازار حسن، عرف چکلے چالو رہیں گے۔

کیا عصمت فروشی پر پابندی (واقعی پابندی) نہیں ہوگی۔

کیا فحاشی کرنے والوں کو کوئی اسلامی سزا نہیں دی جائیگی ؟

کیا اسلامی ثقافت کو مروج نہیں کیا جائے گا ؟

کیا بے پردگی عام رہے گی۔

کیا محنت کش عورتوں، دفتروں، بنکوں اور دیگر تجارتی اداروں میں کام کرنے والی عورتوں کو "دوران کار" برقعے نہیں پہنائے جائینگے ؟

کیا "سود" کا نام منافع رکھ دیا گیا ہے ؟

کیا نجی ملکیت اسلام کے منافی نہیں ہے ؟

کیا اسمگلنگ جنرل ضیاء کی اسلامی تعزیرات کے دائرے سے باہر ہے ؟ کیا اسمگلروں کو "انگریزی سزائیں" دی جائیں گی ؟

کیا راشی افسران کا سابقہ انسداد رشوت ستانی کے قانون ہی سے پڑتا رہے گا ؟

کیا اسلام کے نام پر غیر اسلامی معاشرے کی تشکیل کرنے کا خواب دیکھنے والے کو کسی اسلامی سزا سے نہیں نوازا جائے گا ؟

صاحبو! اور اے نیک دل قارئین کرام۔

اس انداز کے ہزاروں سوالات ہمارے ذہن میں بڑی تیزی سے گردش کر رہے ہیں اور اب چونکہ ہمارے حکمران اسلام کے نفاذ میں لگے ہوئے ہیں اس لئے عام انتخابات کا مسئلہ لپس پشت چلا جائے گا شہری آزادیوں کا ذکر کرنا قبل از وقت ہو جائے گا۔ سول حکومت کا تذکرہ کرتے وقت زبان لڑکھڑائے گی، آسمان کو پھاڑ کر آگے نکلتی ہوئی مہنگائی کا مژدہ زبان سے ادا کرتے ہوئے حجاب محسوس ہوگا اور جمہوریت و آمریت میں تمیز کرنے والی آنکھیں جنرل ضیاء کے اسلام کے مکمل نفاذ تک آنسوؤں سے بھی محروم ہو رہیں گی۔

صاحبو !

جولائی آنے دیجئے یعنی اس سال کو آخری سانسیں لینے دیجئے اس کے بعد نیا سال نئے وعدے کرنے، کچھ اور اسلامی قوانین کا نفاذ کرنے، کچھ اور لوگوں کی دلجوئی کرنے اور بقول شخصے کچھ دن اور حکمرانوں کو حکومت کرتے رہنے کی نوید دے گا۔ اور یہ گاڑی یوں ہی چلتی رہے گی۔ جہاں تک سپریم کورٹ۔ بھٹو کی سزا کی توثیق۔ نظرثانی کی درخواست اور بڑے بڑے اور چھوٹے چھوٹے ممالک کے سربراہوں کی بھٹو کے سلسلے میں اپیلوں کا تعلق ہے تو اس پر کیا اظہار خیال کیا جا سکتا ہے ؟ ایک طرف امریکہ، روس اور چین ہیں تو دوسری طرف ہماری آزاد عدلیہ اور عدلیہ کے فیصلوں کی پابند حکومت، اب، دیکھیں اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے۔ •

مختار عاقل کی گرفتاری

حیدر آباد سے ہمارے معاون اور معروف طالب علم کارکن جناب مختار عاقل کو فروری کے شروع میں گرفتار کر لیا گیا تھا حکومت کی کس ایجنسی نے انہیں گرفتار کیا ہے ان پر کیا الزامات ہیں اور انہیں کہاں رکھا گیا ہے اس بارے میں کوئی اطلاع نہیں ان کے گھر والوں کو یہ معلومات فراہم کرنا تو دور کی بات ہے۔ الٹا انہیں حیلوں بہانوں سے پریشان کیا جا رہا ہے۔ پچھلے دنوں جناب مختار عاقل نے اپنی ایک ڈائری میں لکھا تھا کہ این ایس ایف کے کنونشن کے سلسلے میں ان کی گرفتاری کے لئے چھاپے مارے جا رہے ہیں اس کنونشن کے انعقاد کو غیر قانونی قرار دے کر چند طالب علم رہنماؤں کو فوجی عدالت سے سزا سنا دی گئی ہے اگر مختار عاقل کو بھی اس سلسلے میں گرفتار کیا گیا ہے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ کس قانون کے تحت ان کے رشتہ داروں کو ان کے جرم اور جائے حراست سے مطلع نہیں کیا جا رہا ہے یہ صورتحال تشویشناک ہے اور متعلقہ حکام پر اس کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ صحیح صورتحال کی وضاحت کریں۔

منہاج برنا، شاکر عباس اور فقیر محمد حیاتی کانفرنس سے خطاب کر رہے ہیں

سندھ
لیبر آرگنائزنگ کمیٹی کی
مزدور کانفرنس

قومی صنعتوں کو نجی تحویل میں دینے کا حکم واپس لیا جائے

رشید ٹیکسٹائل ملز میں ۲۸۰ مزدوروں کو بیروزگار کر دیا گیا

ملک اکبرؔ

سندھ لیبر آرگنائزنگ کمیٹی کی پہلی سندھ مزدور کانفرنس متحدہ مزدور فیڈریشن آفس سائٹ ایریا میں ۲ فروری کو منعقد ہوئی جس کے دو سیشن ہوتے۔ پہلا سیشن تنظیمی امور اور کمیٹی کے انتخابات دستور و پروگرام اور مزدور تحریک پر رپورٹ کے لئے مختص تھا۔ اس سیشن کی صدارت اقبال خان نیازی نے کی؛ اور مہمانِ خصوصی پنجاب شوگر ملز فیڈریشن کے صدر جناب شوکت نیازی تھے۔ سیشن گیارہ بجے شروع ہوا جس میں سب سے پہلے کانفرنس کے اغراض و مقاصد پر روشنی ڈالی گئی' اور مقررہ جگہ پر کانفرنس کی اجازت عین موقع پر نہ دینے پر حکومت کے رویہ پر تشویش کا اظہار کیا گیا۔ جناب واحد نیازی نے مزدور تحریک پر رپورٹ پڑھ کر سنائی جسے اجلاس نے متفقہ طور پر منظور کیا اور لیبر آرگنائزنگ کمیٹی کا نام تبدیل کر کے سندھ لیبر آرگنائزنگ کمیٹی رکھا گیا جس کی منظوری کانفرنس نے اتفاق رائے سے دی۔ اس کے علاوہ جناب اسلم بلوچ نے سندھ لیبر آرگنائزنگ کمیٹی کا دستور اور پروگرام پیش کیا جسے اجلاس نے متفقہ طور پر منظور کیا اس

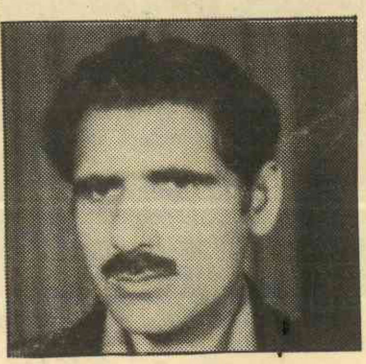

محمد یعقوب

کے بعد کونسلروں کا خیام ہوا۔ اور جمہوری طریقے سے سندھ لیبر آرگنائزنگ کمیٹی کے ان مرکزی عہدیداران کا انتخاب عمل میں آیا۔ صدر اکرم دھریجہ' سینیئر نائب صدر اللہ ڈنو بلوچ ۲۔ نائب صدر عبدالجبار مزاری' جنرل سکریٹری فقیر محمد حیاتی سینیئر جوائنٹ سکریٹری حکیم خان' ۲۔ جوائنٹ سکریٹری شمس الجہان خان' آرگنائزنگ سکریٹری اقبال خان نیازی' پروپیگنڈہ سکریٹری ممتاز احمد خاں۔ اس کے بعد ۱۲ ارکان مجلس عاملہ منتخب کئے گئے جن میں منظور رضی' ریاض حسین' داؤد خان شامل ہیں۔

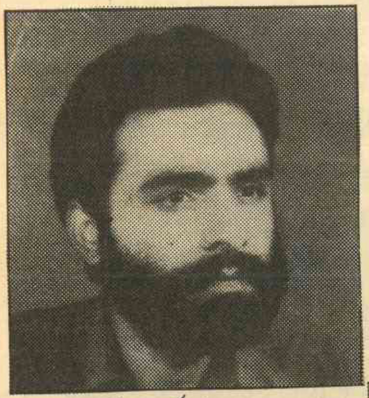

اکرم دھریجہ

اس کے بعد سندھ لیبر آرگنائزنگ کمیٹی کراچی کے حسب ذیل عہدیدار چنے گئے۔ صدر ماجد نیازی' سینیئر نائب صدر لطیف لودھی' ۲۔ نائب صدر خان محمد بلوچ' جنرل سکریٹری اکمل حسین سینیئر جوائنٹ سکریٹری اسلم بلوچ' جوائنٹ سکریٹری عارف محمود پروپیگنڈا سکریٹری ملک اکبر' ان کے علاوہ ۱۳ ارکان مجلس عاملہ کے منتخب کئے گئے جن میں راہ دار خان، عارف آزاد' نور حسین بلوچ، اقبال بلوچ، اکبر خان' عمر شاہ شامل ہیں' آخر میں مہمان خصوصی جناب شوکت نیازی نے نو منتخب عہدیداروں کو مبارک باد دی' اور پنجاب کے محنت کشوں کی طرف سے سندھ لیبر آرگنائزنگ کمیٹی کو بھرپور تعاون کا یقین دلایا، اور جمہوری طریقہ کار اختیار کرنے پر خوشی کا اظہار کیا۔ انہوں نے کہا۔ ہم نے پنجاب سے آکر سندھ کے ساتھیوں سے بہت کچھ سیکھا ہے۔ امید ہے کہ کمیٹی عہدیدار مزدور تحریک کو صحیح خطوط پر استوار کرنے کے ساتھ دیگر مزدور تنظیموں کے ساتھ اتحاد کو آگے بڑھاتے ہوئے مزدور مسائل کو حل کرانے کے لئے آگے بڑھیں گے۔ آخر میں اجلاس کے صدر

جناب اقبال خان نیازی نے نئے عہدیداروں کو مبارک باد دی اور مزدور مسائل پر تفصیل سے روشنی ڈالی ڈھائی بجے پہلا سیشن ختم ہوا۔

دوسرا سیشن ڈھائی بجے شروع ہوا جس کی صدارت کمیٹی کے مرکزی صدر جناب اکرم دھر بجہ نے کی مہمان خصوصی پنجاب کے ممتاز راہنما جناب محمد یعقوب تھے سندھ مزدور کانفرنس سے جن رہنماؤں نے خطاب کیا۔ ان میں جناب منہاج برنا صاحب چیئرمین پی۔ ایف۔ یو۔ جے و ایپنک پاکستان، جناب شوکت نیازی صاحب صدر پنجاب شوگر ملز فیڈریشن، ایس۔ پی لودھی جنرل سکریٹری ورکرز رابطہ کمیٹی، جناب اقبال خاں نیازی آرگنائزنگ سکریٹری سندھ لیبر آرگنائزنگ کمیٹی، احمد کامران نوجوان محاذ پاکستان، کاظم رضا انقلابی محاذ طلبہ، ادریس اشرف این ایس ایف کراچی، امیر محمد خان جنرل سکریٹری ایپنک کراچی، اللہ ڈنو بلوچ مرکزی نائب صدر سندھ لیبر آرگنائزنگ کمیٹی، محمد بخش بلوچ مزدور رہنما لسبیلہ بلوچستان، شاکر عباس جنرل سکریٹری شوگر ملز دریاخاں پنجاب، واحد نیازی صدر لیبر آرگنائزنگ کمیٹی کراچی، اکمل حسین جنرل سکریٹری لیبر آرگنائزنگ کمیٹی کراچی، گلزار بیگم صدر پیپر ورکرز یونین پاکستان اسٹیل ملز کارپوریشن پیپری، نفیر محمد جاتی جنرل سکریٹری سندھ لیبر آرگنائزنگ کمیٹی شامل تھے اسٹیج سکریٹری کے فرائض جناب اسلم بلوچ جوائنٹ سکریٹری سندھ لیبر آرگنائزنگ کمیٹی نے انجام دیئے۔

تمام رہنماؤں نے ملک کی بگڑتی ہوئی صورت حال اور بڑھتے ہوئے مزدور مسائل پر سخت تشویش کا اظہار کیا۔ اور رہنماؤں نے کہا کہ آج جمہوری اور شہری آزادیاں نہ ہونے کی وجہ سے مزدوروں اور دیگر محنت کش طبقوں کی تنظیمی سرگرمیوں میں سخت مشکلات پیدا ہو گئی ہیں انہوں نے کہا اس لئے جمہوری اور شہری آزادیوں کی ضرورت سب سے زیادہ محنت کش طبقات کو رہی ہے۔ کیونکہ اگر انہیں آزادانہ سرگرمیوں کی اجازت نہیں ہوتی۔ تو وہ اپنا نقطۂ نظر دوسروں تک نہیں پہنچا سکتے جب کہ مزدور اور محنت کش طبقوں کے خلاف سرمایہ داروں اور نوکر شاہی کی طرف سے یک طرفہ پروپیگنڈا جاری ہے۔ اس لئے آج ضرورت اس بات کی ہے کہ محنت کش طبقے پر جو مشکلات مسلط کر دی گئی ہیں ان کے خلاف فروعی اختلاف کو بھلا کر جدوجہد کی جائے۔ اس نازک ملکی صورت حال میں یہ ذمہ داری بھی محنت کش طبقات خصوصاً مزدوروں پر عائد ہوتی ہے کہ وہ اس صورتحال میں اپنا بھرپور رول ادا کریں اور سندھ کے اندر قومی طبقاتی جدوجہد کو جوڑتے ہوئے موجودہ سرمایہ دارانہ، جاگیردارانہ ظلم و تشدد کے خلاف بھرپور جدوجہد کریں۔ آخر میں جلسے کے صدر اکرم دھر بجہ نے تمام رہنماؤں اور سندھ لیبر آرگنائزنگ کمیٹی کے ارکان کا شکریہ ادا کیا اور مزدور کانفرنس کو کامیاب کرنے پر مبارک باد دی۔ انہوں نے کہا کہ اس کانفرنس کو ناکام کرنے کی کوشش کو سندھ لیبر آرگنائزنگ کمیٹی کے باشعور کارکنوں نے اپنے اتحاد کے ذریعے ناکام بنادیا اور کانفرنس کو کامیاب کر کے ثابت کر دیا کہ کوئی رکاوٹ مزدور جدوجہد کو آگے بڑھنے سے نہیں روک سکتی۔ اور آخر میں سندھ لیبر آرگنائزنگ کمیٹی کی طرف سے جناب عثمان بلوچ اور متحدہ مزدور فیڈریشن کے ساتھیوں کا شکریہ ادا کیا کہ انہوں نے کانفرنس کے لئے اپنا دفتر دے کر کانفرنس کو کامیاب بنایا۔

کانفرنس کے شرکاء اور مہمان

کانفرنس کے پہلے اجلاس کے آغاز میں ملک اکبر نے مزدوروں کا بین الاقوامی ترانہ "انٹرنیشنل" پیش کیا۔ کانفرنس کے دوران وقفے وقفے سے سندھی، پنجابی اور پشتو میں انقلابی گیت پیش کئے جاتے رہے۔ سندھی گیت جناب اللہ ڈنو بلوچ اور جناب خان محمد بلوچ نے پیش کئے۔ پنجابی گیت پنجاب کے مزدور رہنما جناب بشیر وردی نے اور پشتو گیت جناب دبیر ازخان نے پیش کئے جب کہ اردو نظم انقلابی محاذ طلباء کے رہنما کاظم رضا نے پیش کی۔

دونوں اجلاسوں کے درمیانی وقفے میں ساتھی حکیم خان نے سائٹ کے مزدوروں کے تعاون سے شرکاء اجلاس کے لئے کھانے کا انتظام کیا یہ تواضع دال روٹی سے کی گئی۔

متحدہ مزدور فیڈریشن کے دفتر جہاں کانفرنس ہو رہی تھی کے آس پاس صبح سے شام تک باوردی اور بے وردی پولیس والوں، سی آئی ڈی کی پولیٹیکل برانچ کے سپیشل سیکشن سے متعلق لوگ اور دوسری خفیہ خبر رساں ایجنسیوں کے لوگ منڈلاتے اور ہر آنے جانے والے سے پوچھ گچھ کرتے رہے۔

کانفرنس میں حسب ذیل قرار دادیں منظور کی گئیں

یہ اجلاس حکومت کے اس فیصلے کی شدید مذمت کرتا ہے کہ عین موقع پر سندھ مزدور کانفرنس کے مقررہ جگہ پر منعقد کرنے پر پابندی لگادی جب کہ کانفرنس کے تمام انتظامات مکمل ہو چکے تھے۔ اور دوسرے صوبوں سے مبصرین بھی کانفرنس میں شرکت کے لئے پہنچ چکے تھے۔

یہ نمائندہ اجلاس حکومت سے مطالبہ کرتا ہے کہ ممتاز صحافی حسین نقی، مسعود قمر، مزدور رہنما ریاض حسین، بشیر ظفر، نذیر مسیح لقمان مرزا، غفار خان، محمد رمضان، دتہ خان، سلام جان اور طالب علم رہنما نوشاد چند ریگر، توحید خان، نعیم الغنی، مقبول نظامانی، عزیز الحسن، جام ساقی سمیت تمام گرفتار شدہ مزدور، ہاری، طالب علم رہنما کارکن رہا کئے جائیں۔ کہ ٹریڈ یونین سرگرمیوں پر سے پابندیاں ختم کی جائیں حق ہڑتال بحال کیا جائے نیز تمام کالے قوانین لازمی سروس ایکٹ این آئی آر سی صحافیوں کے غیر نمائندہ ویج کمیشن، پریس آرڈی نینس منسوخ کیا جائے۔ نیز جلسے، جلوس تحریر و تقریر پر پابندی ختم کی جائے اور ٹریڈ یونین سرگرمیوں میں سرکاری مداخلت بند کی جائے۔

کہ چھانٹیاں، برطرفیاں، تالہ بندیاں ختم کی جائیں اور تمام بند کارخانوں کو دوبارہ چلایا جائے اور نکالے گئے تمام مزدوروں کو روزگار مہیا کیا جائے اور تمام ملوں، کارخانوں سرکاری و نیم سرکاری اداروں سے نکالے ہوئے مزدوروں کو نوکریوں پر بحال کیا جائے۔

مہنگائی، بے روزگاری کا خاتمہ کر کے مزدوروں کی کم سے

سوشلسٹ دیہی تعمیر میں بنیادی فریضہ

کامریڈ کم ال سنگ
صدر عوامی جمہوریا کوریا

دیہی مسئلے کو حل کرنے کے لئے ہماری پارٹی نے ملک کے معروضی حقائق کے مطابق ہمیشہ مارکسی اور لینینی اصولوں پر سختی سے عمل کیا۔ زرعی امداد باہمی کو آگے بڑھایا۔ فنی ثقافتی اور نظریاتی انقلابات کو پروان چڑھایا۔ زرعی انتظام کے سلسلے میں کامیاب رہنمائی کی جس کے نتیجے میں دیہی علاقوں میں سوشلسٹ نظام کی تعمیر و ترقی میں خاطر خواہ کامیابی حاصل ہوئی۔

ہمارے ملک میں زرعی پیداوار میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے امداد باہمی کے فارم سیاسی اور معاشی اعتبار سے مزید مستحکم ہو گئے ہیں۔ کسانوں کی مادی اور ثقافتی زندگی میں ترقی ہو رہی ہے جس کی وجہ سے شہر اور دیہات کے درمیان فرق کم ہوتا جا رہا ہے۔

یہ سب کچھ پارٹی کی صحیح پالیسی کی بناء پر ہوا ہے اور ہم مسلسل پارٹی کی دیہی پالیسی پر کاربند رہیں گے تاکہ دیہی علاقوں میں سوشلسٹ نظام کو مزید مستحکم کیا جا سکے۔

دیہی علاقوں میں تکنیکی انقلاب، انقلابی اقدامات کی ایک اہم کڑی ہے۔ اس کا مقصد پیداوار کو بڑھانا، زرعی پیداواری قوتوں کو ترقی دینا اور کسانوں کو انتہائی محنت کے بوجھ سے نجات دلا کر

شعبہ زراعت کو جدید مشینری اور ٹیکنالوجی کی بنیادوں پر استوار کرنا ہے۔

دیہی علاقوں میں تکنیکی انقلاب کے سلسلے میں نظام آبپاشی زرعی مشینری، بجلی اور کیمیائی صنعت (کھاد) کو بنیادی حیثیت دی۔ انڈسٹری کے برعکس زراعت کا بیشتر انحصار فطری اور جغرافیائی حالات پر ہوتا ہے۔ خصوصاً آب و ہوا پر۔ یہ کمیونسٹوں کا فرض ہے کہ فطرت اور آب و ہوا کی تبدیلیوں پر غلبہ پا کر زرعی پیداوار کو متاثر ہونے سے روکیں۔ مضبوط بنیاد فراہم کریں تاکہ عوام کے حالات زندگی مستحکم ہو سکیں۔ نظام آبپاشی کی تعمیر سیلاب کے نقصانات سے بچاؤ، مستحکم فصل اور پیداوار میں اضافے کی ضمانت دیتا ہے۔ آبپاشی کا نظام ہمارے ملک میں اس لئے بھی اہمیت رکھتا ہے کہ یہاں پر چاول زیادہ ہوتا ہے۔

آبپاشی کے بڑے منصوبے تکمیل کے آخری مراحل میں ہیں اور نئے منصوبوں پر کام شروع ہونے والا ہے۔

ہمارے ملک میں شعبہ زراعت مکمل طور پر مشینی دور میں داخل ہونے والا ہے۔ ہمیں ۷۰ ہزار کی بجائے ۸۰ ہزار ٹریکٹروں اور ۳۰ ہزار کی بجائے ۳۵ ہزار ٹرکوں اور دیگر زرعی آلات کی ضرورت ہے مستقبل قریب میں یہ ضرورت پوری ہو جائے گی۔

دیہات میں بجلی پہنچانے کے لئے کام تیزی سے جاری ہے۔ ۳ء۹۳ فیصد دیہی علاقوں میں بجلی فراہم کی جا چکی ہے اور ۷۱ فیصد کسانوں کے گھروں میں بجلی کی تنصیب ہو چکی ہے۔

کیمیائی صنعت کی ترقی کے ساتھ ساتھ کھاد کا استعمال بھی زیادہ ہوتا جا رہا ہے۔ ۱۹۶۳ء میں ایک چونگ ہو میں تین سو کلو گرام کھاد استعمال کی جاتی تھی۔ اب ۵ سو کلو گرام کی جا رہی ہے اور مستقبل قریب میں چند برسوں کے بعد ایک ٹن سے بھی زائد استعمال کی جائے گی۔

تکنیکی انقلاب کے مکمل ہو جانے کے بعد کسانوں پر سے شب و روز کی محنت کا بوجھ کم ہو جائے گا اور پھر انہیں صرف آٹھ گھنٹے یومیہ کام کرنا پڑے گا۔

کم تنخواہ ایک ہزار روپیہ مقرر کی جائے۔

اجلاس ایرانی عوام کی جدوجہد کی مکمل حمایت کرتا ہے۔ اور افغانستان میں رجعت پسندوں اور سامراجی ملا خلت کی شدید مذمت کرتا ہے۔

کہ اندرونِ سندھ تمام تعلیمی ادارے دوبارہ کھولے جائیں اور ان اداروں کے گرفتار شدہ طالب علم رہنما اور کارکن رہا کئے جائیں۔ ان تعلیمی اداروں کے مسلسل بند رکھے جانے پر تشویش کا اظہار کرتا ہے۔

کہ کچی آبادیوں میں بسنے والے تمام محنت کشوں کو مالکانہ حقوق دیئے جائیں اور ٹرانسپورٹ بجلی پانی سمیت تمام بنیادی سہولتیں مہیا کی جائیں۔

اجلاس ٹھٹھہ شوگر مل میں سندھی مزدور کو نظر انداز کرنے پر تشویش کا اظہار کرتا ہے اور مطالبہ کرتا ہے کہ ملوں میں بھرتی کے لئے سندھی مزدوروں کو اولیت دی جائے

نیز گھارو دھابے جی مل ایریا کے مزدوروں پر زیادتیاں بند کی جائیں اور کے ڈی اے کے باقی بچے ہوئے پلاٹ مزدوروں کو الاٹ کئے جائیں۔

کہ ابلاغ عامہ کے اداروں پر ایک مخصوص جماعت کی اجارہ داری ختم کی جائے۔ کیونکہ کسی بھی مخصوص جماعت کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اپنے طور پر یہ طے کرے کہ کون غدار ہے اور کون محب وطن۔ کون مسلمان ہے اور کون کافر، نیز ریڈیو، ٹی۔ وی پر جوش ملیح آبادی پر لگائی گئی پابندی ختم کی جائے اور ریڈیو ٹی وی پر محنت کشوں کے نمائندوں کو بھی اپنے خیالات کے اظہار کا موقع فراہم کیا جائے نیز روشن خیال اخبارات اور رسالوں کے منسوخ کئے گئے ڈیکلریشن بحال کئے جائیں۔ اور تمام اخبارات اور رسالوں پر سے سنسر شپ ختم کیا جائے۔

کہ روہڑی سیمنٹ ورکس اور لاڑکانہ الائیڈ ملز کی حمایت میں گرفتار شدہ مزدور لیڈر اور کارکن رہا کئے جائیں۔ روہڑی اور دیگر جگہوں کے مزدور رہنماؤں کو دی گئی کوڑوں کی سزا منسوخ کی جائے اور ان کو رہا کیا جائے۔

کہ کوڑوں جیسی غیر انسانی سزائیں ختم کی جائیں اور سمری ملٹری کورٹ اور ٹریبونل توڑے جائیں۔ اور مقدمات عام سول عدالتوں میں چلائے جائیں۔

کہ کسی بھی پاکستانی فرد کو سرکاری یا نیم سرکاری محکموں اور اداروں سے محض سیاسی وابستگیوں کی بنا پر نوکریوں سے نکالا گیا ہے انہیں دوبارہ بحال کیا جائے۔

کہ سٹیل ملز پیپری قاسم پورٹ کے متاثرہ گوٹھوں کے لوگوں کو متبادل جگہ فراہم کی جائے اور انہیں معقول معاوضہ ادا کیا جائے۔ نیز اسٹیل ملز اور قاسم پورٹ میں ان گوٹھوں کے لوگوں کو ملازمت دی جائے۔

کہ کوٹہ سسٹم کو موثر اور فعال بنایا جائے اور سختی سے

اس پر عمل درآمد کیا جائے. بھوٹے کلیم اور ڈومیسائل رو کئے جائیں نیز سندھ کے عظیم قومی شاعر شاہ عبداللطیف بھٹائی کی برسی پر پورے سندھ میں عام تعطیل کی جائے.

کہ نیشنلائز انڈسٹریز کو دوبارہ نجی تحویل میں دینے کی شدید مخالفت کرتا ہے اور مطالبہ کرتا ہے اس سلسلے میں جاری کردہ صدارتی حکم واپس لیا جائے اور ان صنعتوں کے انتظام میں مزدور نمائندوں کو شریک کیا جائے.

کہ رشید ٹیکسٹائل ملز کے لے آف کرکے ۲۸۰ مزدوروں کو بے روزگار کئے جانے پر تشویش کا اظہار کرتا ہے اور قاسم پورٹ اتھارٹی میں ڈیلی ویجز پر کام کرنے والے مزدوروں کو مستقل کیا جائے.

کہ ہاریوں کی بے دخلیاں بند کی جائیں اور جن ہاریوں کو بے دخل کیا گیا ہے انہیں زمینوں پر دوبارہ بحال کیا جائے اور ان کی فصلوں کے نقصانات سمیت انہیں معاوضہ ادا کیا جائے.

●

گوجرانوالہ

مزدوروں کے قتل عام کے پیچھے ایک گہری سازش کارفرما تھی جس کا مقصد یہ تھا کہ قتل و غارت گری سے محنت کشوں کی تحریک کا گلا دبا دیا جائے اور سرمایہ داروں کو استحصال لوٹ کھسوٹ اور ظلم کرنے کی کھلی چھٹی دی جائے. مگر تاریخ گواہ ہے کہ ظلم کرنے والی طاقتوں کو شکست کا منہ دیکھنا پڑا اور فتح ہمیشہ مظلوم عوام کی ہوتی ہے. آج طلباء ملک میں پائی جانے والی بے یقینی اور بے چینی سیاسی اور شہری آزادیوں پہ پابندی بنیادی جمہوری حقوق کی پامالی چھوٹے صوبوں کے عوام میں بڑھتی ہوئی بے چینی اور وفاق پاکستان پر بڑھتی ہوئی نا امیدی، کوڑوں کی سزاؤں، دہشت گردی سنسر شپ مہنگائی بے روزگاری، لوٹ کھسوٹ چھانٹیوں، برطرفیوں بے دخلیوں کو تشویش کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ ان تمام مسائل کو عوام کی منتخب حکومت ہی حل کر سکتی ہے اور ملک کو شدید ترین بحران سے نجات دلا سکتی ہے. موجودہ بحران دور کو سامنے رکھتے ہوئے ملک کے وسیع تر مفاد ملکی بقا اور سلامتی کے پیش نظر ضروری ہے کہ موجودہ حکومت ان مطالبات کو تسلیم کرے.

۱: نام نہاد سول حکومت کو ختم کیا جائے. انتخابات کی حتمی تاریخ مقرر کی جائے. عوام کس قسم کا نظام چاہتے ہیں اس کا فیصلہ آنے والی منتخب حکومت کو کرنا چاہیئے. حالیہ پولیٹیکل پارٹیز ایکٹ منسوخ کیا جائے.

۲: گوجرانوالہ میں میڈیکل کالج بنایا جائے. تمام کالجوں کے ٹرانسپورٹ مسائل حل کئے جائیں.

۳: ملتان فائرنگ کیس میں ملوث تمام لوگوں کو قرار واقعی سزا دی جائے.

۴: صوبائی نابرابری کی تمام شکلیں ختم کی جائیں. چھوٹے صوبوں کا وفاق پاکستان پر اعتماد بحال کرنے کے لئے مکمل صوبائی خودمختاری کے اصول پر عمل کیا جائے.

۵. مزدور رہنما بشیر ظفر کو رہا کیا جائے، لقمان مرزا کو کوڑے مارنے اور ایک سال قید کا فیصلہ واپس لیا جائے جبین نقی، طالب علم رہنما خواجہ رشید انجم، تنویر حسین سمیت تمام سیاسی کارکنوں کو رہا کیا جائے.

۶: سندھ کے تعلیمی اداروں کو کھولا جائے.

۷: جام شورو میں قتل کے مقدمے میں گرفتار کئے جانے والے طلباء کو رہا کیا جائے. گورنمنٹ کالج کے زخمی طالب علم شاہد محمود کو جلد معاوضہ ادا کیا جائے.

یہ کہاں کا انصاف ہے یہ کہاں کا نظام مصطفیٰ ہے

طلباء کسی بھی معاشرے کا متحرک اور باشعور حصہ ہوتے ہیں اور معاشرے میں پائی جانے والی لوٹ کھسوٹ ناانصافی دھونس دھاندلی کے خلاف جدوجہد کرتے ہیں. قیام پاکستان سے لے کر اب تک پاکستان میں استحصال ناانصافیوں اور سامراج کی ریشہ دوانیوں کے خلاف ہونے والی جدوجہد میں طلباء نے ہمیشہ ہراول دستے کا کردار ادا کیا ہے. طلباء کے اس عوام دوست کردار میں ترقی پسند طلباء کی واحد تنظیم این ایس ایف پیش پیش رہی ہے جس کے قیام سے لے کر اب تک این ایس ایف کے جیالے کارکنوں نے نہ صرف طالب علموں کو نظریاتی تعلیم سے لیس کیا بلکہ دنیا میں ظلم ناانصافی اور ویت نام، کمبوڈیا، فلسطین، اری ٹیریا اور دنیا کے ہر خطے میں سامراج کے خلاف ہونے والی جدوجہد کی حمایت کی.

موجودہ حکومت کے اقتدار میں آنے سے اب تک عوام کے بنیادی شہری حقوق بالکل سلب ہو چکے ہیں. عوام کو اظہار رائے کا بھی حق حاصل نہیں ہے. لوٹ مار کا بازار گرم ہے، مزدوروں کسانوں طالب علموں کو نہ صرف جیلوں میں دھکیلا گیا بلکہ ان کو کوڑے بھی لگائے گئے. مزدوروں کو فیکٹریوں سے نکالا گیا. کسانوں کو بے دخل کیا گیا طالب علموں کو تعلیمی اداروں سے نکالا گیا. اسمگلروں، ذخیرہ اندوزوں اور لوٹ کھسوٹ کرنے والوں کو کھلی چھٹی ہے اس ظلم ناانصافی کے خلاف اگر کوئی بات کرے تو ان کو پکڑ کر جیلوں میں دھکیل دیا جاتا ہے.

آج سے ایک سال قبل ۲ جنوری کو کالونی ٹیکسٹائل ملز ملتان میں جس وحشیانہ طریقے سے بے گناہ اور نہتے مزدوروں پر فائرنگ کر کے انہیں شہید کیا گیا. پاکستان کی تاریخ میں سیاہ ترین دن کی حیثیت رکھتا ہے اس واقعہ کو ایک سال گزر چکا ہے اس پر حکمرانوں کی زبان خاموش ہے ایک طرف ایک نواب کے قتل پر حکومت کی تمام مشینری حرکت میں آ جاتی ہے. ہم پوچھتے ہیں یہ کہاں کا انصاف ہے. یہ کہاں کا نظام مصطفیٰ ہے کہ مزدوروں پر فائرنگ کرنے والے باہر پھر رہے ہیں. دراصل اسلام کے مقدس نام پر ناانصافی جبر و استبداد، معاشی ناہمواری اور استحصال کے نظام کو مضبوط بنانے کی کوشش کی جا رہی ہے. ہم سمجھتے ہیں کہ ملتان میں

بقیہ: پیپلز پارٹی کی قرارداد

افسوسناک تھے سماعت کرنے والی عدالت کے تعصب کو ثابت کرنے کے لیئے اور کس ثبوت کی ضرورت ہے.

جسٹس محمد حلیم نے ان عناصر کا ذکر کرتے ہوئے جنہوں نے فیڈرل سیکورٹی فورس کے ۴ اراکین کو واقعتاً اقدام قتل

کا اعتراف کرنے پر مجبور کیا ہوگا۔ اس رائے کا اظہار کیا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ اس سازش سے مختلف کوئی اور سازش ہو جس کا الزام استغاثے نے مسٹر بھٹو کے خلاف لگایا ہے اس طرح یہ بات، واضح نہیں ہے کہ اصل سازش پاکستان پیپلز پارٹی کو ایک جھوٹے اور من گھڑت مقدمے کے ذریعے پھانسی چڑھانا تھا؛ اور یہ کہ اس کے علاوہ کوئی اور سازش نہیں تھی۔ اس سے بھی کہ یہ کہ مسٹر بھٹو کی طرف سے کوئی سازش ہو۔

جسٹس صفدر شاہ نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ استغاثہ مسٹر بھٹو کے خلاف مقدمہ ثابت کرنے میں قطعی ناکام رہا ہے۔

کیسے اور کس قانونی یا اخلاقی بنیاد پر اکثریتی فیصلہ انہیں مجرم قرار دینے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ سزائے موت کی بنیاد بن سکتا ہے۔ فوجداری معاملات میں پاکستان میں انصاف کا نفاذ اینگلو سیکسن اصولِ عدل کی پیروی کرتا ہے جس کے تحت ایک ملزم اپنے حق کی بنا پر بری کئے جانے کا مستحق ہے اگر استغاثہ اپنا مقدمہ کسی معقول شک کی گنجائش کے بغیر ثابت کرنے میں ناکام رہے۔ ذرہ برابر بھی شک ملزم کے بری کئے جانے کا تقاضہ کرتا ہے۔ کسی رعایت کے طور پر نہیں بلکہ ایک حق کے طور پر۔

بری کرنے کے ان فیصلوں کی موجودگی میں کیا یہ دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ چیئرمین بھٹو کسی شک کی گنجائش کے بغیر مجرم پائے گئے ہیں؟

اخلاقی اعتبار سے چیئرمین بھٹو پوری طرح اور باعزت طور پر بری ہو چکے ہیں۔ خالص قانونی سطح پر بھی ان کے خلاف سزائے موت پر عملدرآمد نہیں ہو سکتا۔ برصغیر میں ایسی کوئی مثال نہیں ہے جس میں انتظامیہ نے کسی شخص کو پھانسی دینے کے ایسے اختلافی فیصلے پر عمل کیا ہو۔ ایسے معاملات میں بلا پس و پیش سزا میں تخفیف کی گئی ہے اور یا سزائے موت معاف کر دی گئی ہے یا معافی دی گئی ہے۔ ایسی شدید تقسیم اور صف بندی میں مسٹر بھٹو کو پھانسی کیسے ہو سکتی ہے خاص طور پر لاہور میں سماعت کے دوران غلیظ فضا سے اٹھنے والی گندی اور گھناؤنی بو کی وجہ سے جو ابھی تک ہمیں گھیرے ہوئے ہے۔

کسی بین الاقوامی شہرت کے حامل قانون دان یا عدلی ادارے کی طرف سے اکثریتی فیصلے کا جائزہ بلاشبہ اور قطعی طور پر یہ ظاہر کر دے گا کہ مذکورہ فیصلہ کلیتہً مجروح ہے اور قانوناً برقرار نہیں رہ سکتا۔ مزید یہ کہ چیف جسٹس کا تعصب تو اب ریکارڈ کا معاملہ بن گیا ہے الزام یہ ہے کہ وقفے کے دوران بھی جب کہ وہ فیصلے پر سوچ بچار کر رہے تھے انہوں نے عارضی طور پر سربراہِ مملکت اور سربراہ حکومت کا عہدہ سنبھالا اور اس حیثیت میں چیئرمین بھٹو اور ان کی حکومت کے خلاف تضحیک آمیز باتیں کھلے عام کیں، اس ضمن میں ناپسندیدگی اور احتجاج کا ان کے نام ایک خط، پارٹی کی قائم مقام چیئرمین بیگم نصرت بھٹو کی طرف سے بھیجا گیا جس میں ان سے کہا گیا کہ وہ خود کو بنچ سے علیحدہ کر لیں اور فیصلے میں فریق نہ بنیں، ابھی تک دبا ہوا، نظر انداز کیا ہوا فائلوں کے سینے میں پڑا ہے۔

کیونکہ ماورائے عدل مقاصد جن کی بنیاد تعصب اور سیاسی اثرات پر ہے نے مسٹر بھٹو کے لئے سزائے موت کو وجود بخشا ہے۔ اس لئے اس کے نتائج کو وضاحت اور درستگی کے ساتھ بیان کرنا ضروری ہے۔

اکثریتی فیصلے نے وفاقِ پاکستان کے دل میں گہرائی تک خنجر گھونپ دیا ہے۔ نہ صرف عالمی ضمیرِ قانونی کو صدمہ پہنچایا ہے بلکہ پاکستان کے مختلف علاقوں کے لوگوں کے درمیان نفرت، نفاق اور انتشار کے بیج بوئے ہیں، اور قومی یکجہتی کو خطرے میں ڈالا ہے۔

اکثریتی فیصلے نے چھوٹے صوبوں اور بڑے صوبے کے درمیان محاذ آرائی کی حالت کے تاثر کو مستحکم کیا ہے۔

اخلاقیات، انصاف، منصفانہ سلوک، علاقائی سالمیت اور بین الاقوامی امن متقاضی ہیں کہ مسٹر بھٹو کی جان بچائی جائے اور ان کی آزادی بحال کی جائے۔ انہیں پھانسی چڑھانے کی اجازت نہیں دی جا سکتی کیونکہ ان کی موت کے ساتھ عالمی ضمیر اور وہ تمام انسانی اقدار جنہیں دنیا بھر کے لوگ عزیز رکھتے ہیں، مر جائیں گے۔

صورتِ حال تاخیر کی متحمل نہیں۔ ہر لمحہ جو گذر رہا ہے وہ اپنے عوام کے اس دلیر اور نہ دبنے والے لیڈر کو اس درشت انجام کی طرف لا رہا ہے جس کا وہ مستحق نہیں، ایک معصوم شخص کو ایک متعصبانہ عدالتی فیصلے کی بنیاد پر سزائے موت دی جا رہی ہے جو کسی معروضی غور و خوض کے تحت پرکھ یا مستحکم عدلی نظام کے سامنے ٹھہر نہیں سکتا۔

آج ملک تباہی کے دہانے پر ہے۔ چیئرمین بھٹو کو پھانسی دینا اس کے لئے صرف ایک محرک فراہم کرے گا، اور تباہی کی طرف روانگی کی رفتار کو تیز کر دے گا۔

ذاتی تعصبات اور نفرت کو لازماً قومی مفادات کے ماتحت ہونا چاہیئے انتقام اور کینہ پروری کا یہ وقت نہیں ہے۔ انتہا پسندی کو دلیل اور منطق کے آگے جھک جانا چاہیئے۔ چیئرمین بھٹو کو پھانسی نہیں دی جا سکتی اور نہیں دی جانی چاہیئے، انہیں زندہ و محفوظ رہنا چاہیئے تاکہ پاکستان زندہ و محفوظ رہے اور خوشحال ہو۔ ایسے قومی خواب کا خاتمہ نہیں ہونا چاہیئے۔

اگر پاکستان محفوظ رہے تو اس بات کا کسی حد تک امکان باقی رہتا ہے کہ اس پورے خطے کی صورتِ حال جو پہلے ہی بہت نازک ہے اسے برق رفتاری سے خراب ہونے سے روکا جا سکے اور اس کی رفتار میں کمی کی جا سکے۔ خدا نہ کرے اگر پاکستان ایسا کرتا ہے تو پورے خطے کو جو ایک پیاری زندگی سے ٹنگا ہوا ہے۔ ایک انتہائی کمزور دھاگے سے ٹنگا ہوا ہے سلامتی، امن اور سکون کی امید چھوڑ دینی چاہیئے

پاکستان پیپلز پارٹی کی مرکزی مجلس عاملہ نے سپریم کورٹ کے اکثریتی فیصلے سے پیدا ہونے والے نتائج کا جائزہ لینے اور اندازہ لگانے، اور ملک اور پڑوسی خطے کی سلامتی کی ناگفتہ بہ صورتِ حال کا پوری طرح ادراک کرتے، داخلی اور خارجی، سیاسی، سماجی اور اقتصادی عوامل پر غور کرنے کے بعد یہ طے کیا ہے اور مطالبہ کیا ہے کہ چیئرمین ذوالفقار علی بھٹو کو دی جانے والی سزائے موت میں فوری تخفیف کی جائے۔

مرکزی مجلسِ عاملہ عالمی ضمیر، سربراہانِ مملکت و حکومت، عالمی رہنماؤں اور ان تمام لوگوں سے جو انسانی حقوق اور اخلاقی اقدار کو عزیز رکھتے اور منصفانہ طور پر ان کا تحفظ کرتے ہیں، سے اپیل کرتی ہے کہ وہ اپنے باوزن اثر اور مشورے کو استعمال کریں اور چیئرمین بھٹو کی جان بچائیں۔

مرکزی مجلسِ عاملہ خاص طور پر مسلم ممالک کے سربراہوں اور مسلم کانفرنس کے اراکین سے اپیل کرتی ہے کہ وہ پاکستان کے حکمرانوں کو آمادہ کریں کہ وہ اسلامی کانفرنس کے چیئرمین کو پھانسی نہ دیں۔

مرکزی مجلسِ عاملہ پاکستان کے عوام کے تمام حلقوں سے عام طور پر اور خاص طور پر پاکستان کے محنت کش عوام کسانوں، مزدوروں، نوجوانوں، خواتین، دانشوروں اور رائے عامہ کی تشکیل کرنے والوں اور ان سب سے بڑھ کر شہریوں کے حقوق کا دفاع کرنے والوں، قانون کے معزز پیشے سے تعلق رکھنے والے اراکین سے اپیل کرتی ہے کہ وہ صدرِ پاکستان و چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر سے مطالبہ کریں کہ سزائے موت منسوخ کی جائے۔

مرکزی مجلس عاملہ کو اندیشہ ہے کہ سپریم کورٹ کی طرف نظرِ ثانی کا چارۂ کار اس مقدمے کے حالات میں قطعی واہمہ اور عدم موجود ہے اس طرح زیادہ امکان یہ ہے کہ چیئرمین

کی زندگی اور موت میں صرف چند روز حائل ہیں،

حال ہی میں جنرل ضیاء الحق نے دعویٰ کیا ہے کہ انہوں نے اس ملک کو قانون کی حکمرانی دی ہے۔ فی الحال اس دعوے کے حسن و قبح کی تفصیل میں گئے بغیر، اگر حکومت انصاف کے نفاذ کی ضمانت دینے میں مخلص ہے تو مرکزی مجلس عاملہ مطالبہ کرتی ہے کہ جسٹس قیصر خاں اور جسٹس وحید الدین کا بحیثیت ایڈہاک جج دوبارہ تقرر کیا جائے جس کی آئین اجازت دیتا ہے، اور انہیں اجازت دی جائے کہ دوسرے ججوں کے ساتھ سپریم کورٹ کی نظرِ ثانی بنچ میں شامل ہوں تاکہ بنچ کی اصل تعداد اور ہیئت بحال ہو۔

بقیہ: سزائے قتل کا قانون

کی روح سے برسرِ پیکار رہو۔ تم ترقی کے اخلاق سے دست بگریباں ہو۔ قلبِ انسانی تمہارا دشمن ہے ضمیرِ انسانی تمہارا حریف ہے وہ تمام اصول و مبادی تمہارے مقابلے میں صف بستہ ہیں جن کے سایہ میں ساٹھ برس سے فرانس ترقی کر رہا ہے جنہوں نے دنیا کو وحشت سے نکال کر متمدن دنیا بنا دیا ہے۔ ان تمام اصول و مبادی کا لب لباب اور نچوڑ یہ ہے کہ انسانی زندگی کی حرمت، غیر تعلیم یافتہ طبقہ پر برادرانہ شفقت۔ مذہبِ اصلاح جو مذہبِ انتقام کی جگہ قائم ہو گیا ہے۔ تمہاری دشمن ہر وہ چیز ہے جو عقل کو روشنی بخشتی ہے۔ ہر وہ چیز جو روح کو ابھارتی ہے یعنی دین اور فلسفہ۔ ایک طرف سے (حضرت) مسیح (علیہ السلام) اور دوسری طرف سے والٹیئر!

"حضرات! اب میں اپنا بیان ختم کرنا چاہتا ہوں۔ اے میرے فرزند! میری آنکھوں کے نور! میرے جگر کے ٹکڑے! ہاں اے میری جان! میں تجھی کو مخاطب کرتا ہوں تجھی کو جو مجرموں کے کٹہرے میں کھڑا ہے! آج تو شرافت و عزت کی ایک عظیم منزل طے کر رہا ہے۔ خدا نے تجھے محبت کی نظر سے دیکھا اور اس لائق بنایا کہ تو حق کے لئے جنگ کرے، مقدس حق کے لئے غم کھائے، تو آج اس منزل میں قدم رکھ رہا ہے جو ہمارے زمانے میں حقیقی مردانگی کی منزل ہے یعنی عدل و انصاف کے لئے جنگ، حقیقت کے لئے جنگ، عظیم بن جا! بلند ہو جا! تو کیا ہے؟ عقلِ انسانی اور حقیقی جمہوریت کا ایک معمولی سپاہی! تو آج اس جگہ بیٹھا ہے جس پر تجھ سے پہلے "برانجیہ" بیٹھ چکا ہے۔ تو "لاموتیہ" کی کرسی پر بیٹھا ہے لیکن عقائد میں کمزور نہ ہو، یہ تجھ سے میرے آخری لفظ ہیں، یہ میری وصیت ہے بشرطیکہ تجھے وصیت کی ضرورت ہو، غور کر تو اس وقت "تروادک" کی جگہ بیٹھا ہے، آہ میری مسرت! میرے لڑکے کو کیسی عزت ملی ہے...
"میں کہہ چکا..."

بقیہ: سرحد

کرایا کہ خدا کے لیے اگر تم نے یہ سلسلہ جاری رکھا تو ہماری نوکری چلی جائے گی کیونکہ تم کو گرفتار کر کے گناہگار بھی نہیں بننا چاہتے
چوک یکہ توت، چوک ناصر خان، مسلم مینا بازار، جی ٹی روڈ اور شہر میں بعض دوسرے مقامات پر نوجوانوں نے جلوس نکالے اور فیصلے پر اپنے ردعمل کا اظہار کیا ان جلوسوں کی ایک قابلِ ذکر بات یہ تھی کہ ان میں بعض نوجوانوں ..... کی ایسی تصویریں اٹھائے ہوئے تھے جن میں آنکھیں نکال لی گئی تھیں۔

پشاور شہر اور دوسرے حصوں میں پولیس اور دوسری ایجنسیوں کے سخت حفاظتی انتظامات جاری ہیں رات کے وقت بعض مقامات پر بکتر بند گاڑیاں بھی گشت کرتے ہوئے دیکھی گئی ہیں جن میں سٹین گنوں سے مسلح سپاہی سوار ہوتے ہیں۔

بقیہ: پرانی سیاست گری

اور منافع غیر ممالک کو منتقل کرتے رہیں۔ حکومت ان کی مزید دلجوئی اور حوصلہ افزائی کرنے کے لئے لیبر کمیشن کے ذریعے سے لیبر قوانین میں اس طرح ترمیم کرنے کا ارادہ رکھتی ہے کہ مزدوروں سے ہمیشہ کے لئے حقِ ہڑتال چھین لیا جائے انہیں بلا جواز مزدوروں اور ٹریڈ یونین کے عہدیداروں کو ملازمت سے برطرف کرنے کا اختیار مل جائے اور ٹریڈ یونین سرگرمیوں پر پابندیاں عائد رہیں۔ بتائیے یہ سب کچھ کیا اسلام کے مطابق ہے؟

پھر شعبہ زراعت کو لیجئے۔ قرآن شریف میں آیا ہے کہ زمین اللہ کی ہے اس پر صرف اسی کو حقِ ملکیت حاصل ہے جو زمین پر ہل چلائے اور محنت کر کے اجناس پیدا کرے۔ جناب ضیاء الحق کے اسلامی نظام میں اس لازمی امر کو بالکل نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ بڑے بڑے جاگیرداروں، زمینداروں اور غیر حاضر مالکوں کو زمین کی ملکیت ہمیشہ کی طرح حاصل رہے گی۔ علامہ اقبال کی عظمت و حرمت کا ذکر ہمارے حکمران اکثر کرتے رہتے ہیں لیکن وہ ان کے ان اسلامی فرمودات کو نظر انداز کر دیتے ہیں جن میں سرمایہ داری اور جاگیرداری نظام اور مزدوروں اور مزارعوں کے استحصال کی مذمت کی گئی ہے انہوں نے کہا تھا۔

خواجہ از خونِ رگِ مزدور سازد لعلِ ناب
از جفائے دہ خدایاں کشتِ دہقاناں خراب
انقلاب، اے انقلاب۔

لیکن ہمارے حکمران تو قائداعظم اور علامہ اقبال کا نام محض اپنے ذاتی اور طبقاتی مقاصد کے حصول کیلئے لیتے ہیں۔ اگر وہ اسلام کے انقلابی اقتصادی نظام سے صحیح معنوں میں دلچسپی رکھتے تو سب سے پہلے یہ اعلان کرتے کہ زمین اس کی جو اس پر ہل چلائے لیکن یہ اعلان تو صحیح معنوں میں اسلام کے اقتصادی نظام کو رائج کر دیتا جو ہمارے حکمرانوں کی نیت نہیں۔ وہ تو اسلام جیسے مقدس دین کو بھی اپنی ذاتی اغراض اور اقتدار کیلئے استعمال کرنا چاہتے ہیں۔ وہ جاگیرداری اور سرمایہ داری کو نہ صرف تحفظ دینا چاہتے ہیں بلکہ انہیں مزید تقویت اور استحکام عطا کرنا چاہتے ہیں۔

پھر اتنا ہی نہیں وہ سودی نظام کو بھی ختم کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے۔ ۱۲ ربیع الاول کے اعلان میں جناب صدر نے صرف اس قدر فرمایا کہ ہاؤس بلڈنگ فنانس کارپوریشن آئندہ جولائی سے دو ہزار دو سو پچاس مربع فٹ کورڈ ایریا والے مکانات کے قرضوں پر سود نہیں لے گی لیکن انہوں نے آگے چل کر یہ بھی فرما دیا کہ ایک لاکھ روپے کے قرضے کے بعد قرض لینے والے کو ایک لاکھ ستاسی ہزار روپے ادا کرنے ہوں گے کوئی بتائے یہ ۸۷ ہزار روپے کس مد میں لئے جائیں گے، کہا جائے گا کہ شراکت ملکیت اور آئندہ حاصل ہونے والے کرایہ میں حصہ داری کے عوض لیکن قبلہ یہ تو آپ نے سود کا نام بدل دیا۔ گویا سود کے لئے ایک "حیلۂ شرعی" ایجاد فرما لیا۔ فرق صرف اتنا ہوا کہ سود کا نام نہیں لیا گیا اور اس کی شرح میں تھوڑی سی تخفیف کر دی گئی۔

رہ گئیں بعض جرائم مثلاً چوری، شراب نوشی، زنا، الزام تراشی کی حدود کا نفاذ۔ بہت خوب اور بہت مناسب لیکن یہ تو بتائیے کہ کیا ہمارے معاشرے میں ان سے زیادہ سنگین جرائم کا ارتکاب نہیں کیا جاتا۔ یہ جرائم انفرادی نوعیت کے ہیں جن کے لئے آپ نے شرعی حدود مقرر کر دیں لیکن ان جرائم کے بارے میں آپ نے پہل کیوں نہ کی جن سے ایک فرد کو نہیں بلکہ ایک معاشرہ کی آبادی کو نقصان پہنچتا ہے۔ کیا منافع خوری، چور بازاری، ذخیرہ اندوزی، ملاوٹ اور اسمگلنگ چوری، الزام تراشی اور شراب نوشی سے کم تر جرائم ہیں حضور یہ جرائم تو معاشرہ کے معاشرہ کو کھوکھلا کر دیتے ہیں جیسے ہمارے یہاں ہوا ہے۔ چھوٹے چوروں کے ہاتھ کاٹنا اور بڑے بڑے چوروں اور ڈاکوؤں کو کھلی چھٹی دینا کس اسلام میں جائز ہے؟ یہ بات بھی ہمارے حکمرانوں کے نجی اور طبقاتی مفادات کی غمازی کرتی ہے۔

آیئے ہم سب مل کر دعا کریں کہ:-
اللہ ہمارے دین پر رحم کرے۔
اللہ مسلمانوں پر رحم کرے۔
اللہ ہمارے ملک پر رحم کرے۔

ایک غزل

عیسیٰ ہوں نہ منصور پہ سُولی پہ چڑھا ہوں
اس قافلۂ رفتہ کا نقشِ کفِ پا ہوں
اس وقت سے میں درد کے صحرا میں کھڑا ہوں
جب سے کہ میں خود اپنے سے آگاہ ہوا ہوں
کچھ روشنیٔ فکر و نظر دیتا جہاں کو!
میں وقت سے پہلے ہی مگر ڈوب چلا ہوں
اِن اونچی عمارات کے باوصف میری جاں
اک سایۂ دیوار کو میں ڈھونڈھ رہا ہوں
حالات کے ان تند تھپیڑوں کے مقابل
میں سینہ سپر صورتِ دیوار کھڑا ہوں
سقراطؔ نہیں ہوں مگر اس دور میں مَیں بھی
کچھ ویسے ہی حالات سے دوچار ہوا ہوں
اُٹھ جاؤں گا محفل سے تو احباب سُنیں گے
اس دورِ پُر آشوب میں کس طرح جیا ہوں
ہونٹوں پہ ہنسی ہے نہ میری آنکھ میں آنسو
اس دَور کا انسان ہوں پتھّر کا بنا ہوں
کیا موت کا ڈر ہو کہ شناسا ہے پُرانی
چالیس برس میں مَیں کئی بار مرا ہوں

احمد وحید اختر

دُنیا کے مشہور
مُصنّفین کی بہترین کہانیاں

حیرت انگیز ☐ پُراسرار ☐ خوفناک

جرم و سزا ☐ سُراغرسانی ☐ مہم جوئی

شکاریات ☐ طنز و مزاح

ناقابلِ فراموش ناول کی تلخیص

نفسیاتی اور جنسی الجھنوں پر سائنسی اور ماہرانہ مشورے

برصغیر کے نامور ادیبوں کی کہانیوں کا انتخاب

ڈائجسٹ سائز پر سب سے الگ ماہنامہ

خوبصورت گیٹ اپ کے ساتھ

?

عنقریب شائع ہو رہا ہے

ماروی مطبوعات ○ کراچی ۲۹